یعنی مومن کی امتیازی شان اور اسکی خصوصیات

شیخ المشائخ عارف باللہ محی السنہ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ : گلشن اقبال کراچی

شیخ المشائخ محی السنہ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ضروری تفصیل

وعظ : خصائصِ مومن

واعظ : شیخ المشایخ محی السنۃ حضرتِ اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ وعظ : ۶ محرم الحرام ۱۴۱۲ھ بروز جمعۃ المبارک

مقام : خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ، گلشنِ اقبال نمبر ۲، کراچی

مرتب : شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد افضال الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم

زیرِ اہتمام : شعبہ نشر و اشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، بلاک ۲، کراچی

پوسٹ بکس:11182 رابطہ:+92.21.34972080، +92.316.7771051

ای میل:khanqah.ashrafia@gmail.com

ناشر : کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، بلاک نمبر ۲، کراچی، پاکستان

قارئین و محبین سے گزارش

اس بات کی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کراچی سے شایع ہونے والی شیخ المشایخ محی السنۃ حضرتِ اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تمام کتابوں اور مواعظ کی پروف ریڈنگ اور طباعت معیاری ہو۔

الحمدللہ! اس کام کی نگرانی کے لیے خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کے شعبۂ نشر و اشاعت میں مختلف علماء اور ماہرین فن دینی جذبے اور لگن کے ساتھ اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اس کے باوجود کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرمائیں تاکہ آیندہ اشاعت میں درست ہو کر آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہو سکے۔

(مولانا) حکیم محمد اسماعیل

نبیرہ و خلیفہ مُجاز بیعت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ

ناظم شعبۂ نشر و اشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

عنوانات

عرضِ مرتب

بِاسْمِهٖ تَعَالٰی

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا وَّمُسَلِّمًا اَمَّا بَعْدُ

مخدوم گرامی محی السنۃ حضرتِ اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کا ۱۴۱۱ھ میں حجِ بیت اللہ سے واپسی پر چند یوم کے لیے کراچی پاکستان میں قیام ہوا۔ وہاں کے زمانۂ قیام میں ۶ محرم ۱۴۱۲ھ بروز جمعہ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال نمبر ۲ میں بیان فرمایا کہ جس میں قرآنِ پاک اور احادیثِ مُبارکہ کی روشنی میں مومن کی امتیازی خصوصیات واوصاف کو ایسے طور پر واضح فرمایا کہ جس سے اس کے بلند مقام ومنصب اور اس کی ذمہ داری کی تعیین خود بخود ہو جاتی ہے۔

آج جب کہ مغربی تہذیب کی سطحی آب وتاب اور مادّی تمدن کی ظاہری چمک ودمک نے اُمتِ مسلمہ کو اپنے دامِ فریب میں ایسا لے لیا ہے کہ اس نے سَراب کو آب سمجھ کر اس کے حاصل کرنے کی فکر میں ایسی لگ گئی ہے کہ اس کی وجہ سے وہ اپنے ایمانی منصب، دینی ذمہ داری، اسلامی خصائص اور مومنانہ صفات کو بھولتی جارہی ہے اور غیروں کے رنگ میں رنگتی چلی جارہی ہے۔ یہ صورتِ حال افسوس ناک بھی ہے، تشویش ناک بھی ہے اور حد درجہ قابلِ فکر بھی ہے۔

ایسے نازک وقت میں اس بات کی ضرورت ہے کہ امتِ مسلمہ کو اس کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا جائے۔

چناں چہ حضرت محی السنۃ دامت برکاتہم نے اسی کی اپنے مخصوص انداز میں تشریح فرمائی ہے، جس کو حضرتِ والا مد ظلہٗ کی نظر ثانی واجازت سے مجلس پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہی ہے۔

حق تعالیٰ پوری امتِ مسلمہ کو آپ کے فیوض وبرکات سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

محمّد افضال الرحمٰن

اشرف المدارس ہردوئی۔یوپی۔ ۲۵ ذیقعدہ ۱۴۱۲ھ

خصائصِ مومن

بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ نَحۡمَدُهٗ وَنَسۡتَعِيۡنُهٗ وَنَسۡتَغۡفِرُهٗ وَنُؤۡمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيۡهِ وَنَعُوۡذُ بِاللهِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَيِّئٰاتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ يَّهۡدِهِ اللهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشۡهَدُ اَنۡ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ وَنَشۡهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيۡهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسۡلِيۡمًا كَثِيۡرًا كَثِيۡرًا، اَمَّا بَعۡدُ

فَاَعُوۡذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ

بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ ۘ يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَيُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيۡعُوۡنَ اللهَ وَرَسُوۡلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرۡحَمُهُمُ اللهُ ؕ اِنَّ اللهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۷۱﴾ [1]

اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بُری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانتے ہیں، ان لوگوں پر ضرور اللہ تعالیٰ رحمت کرے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ قادر ہے حکمت والا ہے۔

میں نے اس وقت ایک آیتِ کریمہ پڑھی ہے، اس کی تشریح وتوضیح سے پہلے دو باتیں عرض کردوں۔

---

[1] التوبة:۷۱

صلحا کی مشابہت کا فائدہ

ایک بات تو یہ کہ یہاں میری حاضری برابر ہوتی رہتی ہے۔ سب جانتے ہیں اور سب کو معلوم ہے، لیکن آج جس طرح حاضری ہوئی ہے اس سے بعض حضرات کو بھی خیال ہو رہا ہو گا کہ یہ کپڑا جسے جُبّہ کہتے ہیں وہ پہن کر کیوں آیا؟ کیسے آیا؟ کیا بات ہے؟ تو اس کی دو وجہیں ہوتی ہیں: ایک تو ہوتے ہیں اہلِ کمال اور دین کے خدّام۔ ان کی یہ نشانی ہے کہ اس کو پہن لے تاکہ لوگ اس کے ذریعے سے پہچان لیں کہ یہ دین کے خدام میں سے ہے۔ جیسے آج کل مصر میں سُرخ ٹوپی اور اس کے اُوپر عمامہ کا باندھنا علماء کا دستور ہے اور یہ ان کا لباس ہے۔ اس طرح جُبّہ پہننا بھی اہلِ کمال اور دینی خدام کی نشانی ہے، تو ایک وجہ جبہ پہننے کی تو یہ ہوئی۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ صلحائے امت اور دین کے خدّام کی وضع قطع کی نقل کرنا اور ان کی مشابہت اختیار کرنا مقصود ہے، کیوں کہ صلحا کی مشابہت کا قصد یہ اللہ تعالیٰ کی رحمتِ خاصّہ کے متوجہ ہونے کا ذریعہ بنتا ہے جیسا کہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ[۲]

انسان کا حشر اس کے ساتھ ہو گا کہ جس سے محبت کرتا ہے۔

انسان کے دل میں جس کی عظمت و محبت ہوتی ہے اس کی وضع قطع کو اختیار کرتا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ ایک حقیقت اور اس کا مشاہدہ بھی ہے کہ انسان جس کی وضع قطع اور جس کی شکل و صورت کی نقل کرتا ہے ہلکے ہلکے اس کی حقیقت بھی اس کے اندر آجاتی ہے، اسی لیے فساق و فجور کی مشابہت اختیار کرنے سے بڑی سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے، چناں چہ حدیث میں آتا ہے:

لَا يَاْكُلَنَّ اَحَدُكُمْ بِشِمَالِهٖ وَلَا يَشْرَبَنَّ بِهَا

تم میں سے کوئی شخص ہرگز بائیں ہاتھ سے نہ کھائے اور نہ پیے۔

کتنی شدت کے ساتھ اُلٹے ہاتھ سے کھانے پینے سے منع کیا گیا، اور اس کی وجہ بھی بتلائی گئی ہے:

فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَاْكُلُ بِشِمَالِهٖ وَيَشْرَبُ بِشِمَالِهٖ[۳]

---

[۲] صحیح البخاری: ۲/۹۱۱ (۶۱۹۸)، باب علامة حب الله عزوجل، المکتبة المظهرية

[۳] السنن الکبریٰ للنسائی: ۶/۳۰۷ (۶۸۶۵)، النهی عن الشرب بالشمال، مؤسسة الرسالة

اس لیے کہ شیطان اپنے بائیں ہاتھ سے کھاتا اور پیتا ہے۔

تو اُلٹے ہاتھ سے کھانا پینا شیطان کا طریقہ ہے اس کو اختیار کرنے سے منع کیا گیا۔ کیوں کہ جو شخص بظاہر کھانے پینے میں اس کے طور طریقے کی نقل کرے گا تو اس کی وجہ سے اس میں اس کے اثرات پیدا ہوں گے۔ چناں چہ ایسے لوگوں میں شیطنت کا اثر مشاہدہ میں آتا ہے یعنی عُجب، خود پسندی، اپنی فہم پر اعتماد، اپنے بڑوں کی عیب جوئی یہ امراض پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ اسی کا اثر ہے، اس لیے اس سے منع کیا گیا ہے۔ چناں چہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

فِيْهِ اَنَّهٗ يَنْبَغِي اجْتِنَابُ الْاَفْعَالِ الَّتِيْ تُشْبِهُ اَفْعَالَ الشَّيَاطِيْنِ[۴]

اس میں یہ تعلیم ہے کہ جو افعال شیطانی افعال کے مشابہ ہیں ان سے بچنا چاہیے۔

تو جب شیطانی طور طریقہ اختیار کرنے سے شیطنت پیدا ہوتی ہے تو اہل اللہ اور صلحا کی مشابہت اختیار کرنے سے کیا ان کی صفات پیدا نہیں ہوں گی؟ یقیناً پیدا ہوں گی، اور یہ مطلوب بھی ہے۔ چناں چہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ[۵]

جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے تو اس کا شمار ان ہی میں ہو گا۔

چناں چہ یہ جبہ جو اس وقت پہنے ہوئے ہوں یہ مدینہ منوّرہ کی مسجدِ نبوی کے خاص خدّام میں سے ایک عالم ہیں انہوں نے مدینہ پاک سے رخصت کرتے ہوئے تحفتاً عطا فرمایا تھا کہ "اس کو جمعہ اور عیدین میں پہنا کرو" آج چوں کہ وہاں سے رخصت ہونے کے بعد کا یہ پہلا جمعہ ہے پہلی دفعہ اس کو پہنا ہے، اگرچہ اپنے کو اس کا لائق خیال نہیں کرتا بلکہ طبعاً بار بھی ہے مگر اسی نیت سے پہنا ہے تاکہ صالحین واکابر اہل اللہ کی نقل کا فیض مجھے بھی حاصل ہو۔

اُحِبُّ الصَّالِحِيْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ
لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِيْ صَلَاحًا

---

۴ مرقاۃ المفاتیح:۷/۲۶۹۳،کتاب الاطعمۃ،دار الفکر،بیروت

۵ سنن ابی داؤد:۲/۲۰۳،باب فی لبس الشھرۃ،ایچ ایم سعید

اُن کی مرضئ پاک ہی کی اتباع کرے

دوسری بات کسی کے لیے کھڑے ہونے کے سلسلے میں یہ ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب صحابہ کے مجمع میں تشریف لاتے تو کوئی کھڑا نہیں ہوتا۔ چناں چہ روایت میں ہے:

لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانُوْا اِذَا رَأَوْهُ لَمْ يَقُوْمُوْا

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب کوئی اور شخص نہیں تھا لیکن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جب آپ کو دیکھتے تو کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ اتنی محبت اور تعلق کے باوجود صحابہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے اور آپ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مجمع میں تشریف لاتے تو کھڑے نہیں ہوتے، کیوں کھڑے نہیں ہوتے؟ وجہ اس کی بیان کی گئی:

لِمَا يَعْلَمُوْنَ مِنْ كَرَاهِيَتِهٖ لِذٰلِكَ[٦]

کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کو پسند نہیں فرماتے۔

اس وجہ سے کہ صحابہ کو معلوم تھا کہ یہ آپ کو ناپسند ہے۔ آپ اس کو اپنے لیے پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک معاملہ تو آپ کا اپنے سلسلے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ یہ تھا، اور حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے تھے تو وہ کھڑی ہوجاتی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع نہیں کیا۔ ایک معاملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہوا اپنے سلسلے میں اپنی صاحب زادی کے ساتھ۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا اس لیے وہ حضرات ایسا معاملہ کیا کرتے تھے، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو منع نہیں کیا اس لیے وہ ایسا معاملہ کیا کرتی تھیں۔ تو اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں: ایک تو یہ کہ جس کے لیے جو حکم ہوا اس کے لیے ویسا ہی معاملہ کرنا چاہیے، اس کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں ہے۔ اسی کو بعضے حضرات نے فرمایا ہے کہ ؎

---

[٦] جامع الترمذی: ۲/۱۰۴، باب ما جاء فی کراهية قيام الرجل للرجل، ایچ ایم سعید

وہ جو اِذن دیں تو قیام ہے وہ جو روک دیں تو قعود ہے
بِلا ان کی مرضئ پاک کے نہ قعود ہے نہ قیام ہے

اپنا جی چاہنے پر دارومدار نہیں بلکہ ان کی مرضی اور حکم کی تعمیل کرنا یہ ضروری اور اصل چیز ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ کسی کی محبت اور تعظیم میں کھڑے ہونے سے ناگواری نہ ہو اور وہ منع نہ کریں تو کھڑے ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر وہ کھڑے ہونے کو پسند نہ کریں اور منع کر دیں تو پھر نہیں کھڑا ہونا چاہیے بلکہ بدستور اپنی جگہ پر بیٹھا رہے۔ جس میں ان کو راحت ہو اسی طرح کا ان کے ساتھ معاملہ کیا جائے۔ چناں چہ سہارنپور میں ہم نے پڑھا ہے، ہمارے بعضے اساتذۂ کرام جب وہ تشریف لاتے تھے حدیث کا درس دینے کے لیے تو ہم لوگ کھڑے ہو جاتے تھے، جب آ کے بیٹھ گئے تو ہم لوگ بیٹھ جاتے، ایک دوسرے اُستاد حدیث کے تھے انہوں نے کہا کہ ہمارے لیے نہ کھڑے ہوا کرو تو ان کے تشریف لانے پر نہیں کھڑے ہوا کرتے تھے۔ تو اُنہوں نے منع نہیں کیا اس لیے اُن کے ساتھ وہ معاملہ، اِنہوں نے منع کیا اِن کے ساتھ یہ معاملہ۔ گنجایش تو دونوں ہی کی ہے، مگر ہر ایک کے ساتھ وہ معاملہ کرنا چاہیے جس کی وہ اجازت دیں۔ حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی نوّر اللہ مرقدہٗ کے یہاں جمعہ کی نماز ہو جاتی تھی، حضرت پڑھاتے بھی تھے، پھر مجلس ہوتی تھی، سب لوگ بیٹھ جاتے تھے، راستہ مجلس میں رہتا تھا آنے کے لیے، حضرت تشریف لاتے تھے، لیکن کوئی کھڑا نہیں ہوتا تھا، اس لیے کہ حکم تھا کہ کوئی کھڑا نہ ہو۔ چناں چہ آپ کی تشریف آوری پر یہ معاملہ کیا جاتا تھا۔ اس لیے بھائی اس وقت اس کی ضرورت نہیں ہے، وجہ کیا ہے؟ کہ کیوں نہ کھڑے ہو؟ اس لیے کہ بڑے منع کر گئے ہیں بس ایسا نہ کرو۔ یہ دو باتیں گزارش کرنی تھیں۔

مسلمان باہم ایک دوسرے کے خیر خواہ ہیں

اب جو مضمون بیان کرنا ہے اس کو شروع کر رہا ہوں۔ جو آیتِ کریمہ پڑھی تھی اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومن کی کچھ خصوصیات کچھ پہچان اور نشانی بتلائی ہے۔ اصلی مومن کون ہے؟ اس کی کیا شان اور کیا حال ہونا چاہیے؟ اس کی کیا کیفیت ہونی چاہیے؟ اس کو بیان کیا گیا ہے:

وَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتُ بَعۡضُہُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ [ۘ]

مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا ہمدرد و خیر خواہ ہے، آپس میں دوسرے کے دوست ہیں۔ یہ آپس میں دوستی اور تعلقات کسی دنیوی غرض اور منفعت کی وجہ سے نہیں ہوتی، کیوں کہ اس طرح کے جو تعلقات ہوتے ہیں ان میں عموماً ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کا معاملہ نہیں ہوتا بلکہ ہر شخص اپنے نفع اور اپنی غرض کی فکر میں رہتا ہے، دوسرے کا نفع ہو یا نہ ہو، دوسرے کا فائدہ ہو یا نہ ہو بس ہمارا کام کسی طرح ہونا چاہیے، پھر یہ کہ اس کا انجام اچھا نہیں ہوتا، مگر ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان کے ساتھ جو دوستی ہے تعلقات ہیں وہ اللہ واسطے ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے کے دینی دوست اور دینی خیر خواہ ہیں اللہ واسطے دوستی اور اللہ واسطے دشمنی یہ مومن کی شان ہے، حدیث میں ہے:

اَفۡضَلُ الۡاَعۡمَالِ اَلۡحُبُّ فِی اللہِ وَالۡبُغۡضُ فِی اللہِ [۸]

افضل اعمال خدا کی رضا اور خوشنودی کے لیے کسی سے دوستی رکھنا اور اللہ کی رضا و خوشنودی کے لیے بغض رکھنا۔

اہل اللہ کا احتساب تربیت کے لیے ہوتا ہے

اب یہاں ایک سوال ہوتا ہے کہ قرآن میں تو مومن کی شان یہ بتلائی گئی ہے کہ ان کا معاملہ آپس میں ہمدردی اور محبت و شفقت کا ہوتا ہے لیکن ہم تو اس کے خلاف دیکھتے ہیں۔ معاملہ بعضے بزرگوں کے یہاں کہ ان کے یہاں بڑے اُصول وضوابط ہیں ان کے یہاں سختی ہے، ڈانٹ ڈپٹ ہوتی ہے، بات بات پر محاسبہ ہوتا ہے، خفگی ہوتی ہے، یہ کیا چیز ہے؟ چناں چہ لوگ حضرتِ والا حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی نوّر اللہ مرقدہٗ کو کہتے ہیں کہ بڑے سخت تھے، تو بھائی بات یہ ہے کہ اللہ والوں کے یہاں جو ڈانٹ ڈپٹ اور احتساب ہوتا ہے یہ بھی محبت اور

ے التوبۃ:۷۱

۸ سنن ابی داؤد:۲/۲۷۶، باب مجانبۃ اھل الاھواء وبغضھم، ایچ ایم سعید

شفقت ہی کی بنا پر ہوتا ہے، کیوں صاحب! میں آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ کسی کے آنکھ کے آپریشن کی ضرورت ہے، کسی کے پھیپھڑے کے آپریشن کی ضرورت ہے، کسی کے ہاتھ کاٹنے کی ضرورت ہے بے کار ہو گیا ہے، تو ایسے مریضوں کے ساتھ شفقت ورحمت کیا ہے؟ یوں ہی چھوڑ دیا جائے، یوں ہی تڑپنے دیا جائے یا اس کی اصلاح کی جائے اور آپریشن کیا جائے؟ جس طرح ان مریضوں کے ساتھ محبت اور شفقت یہی ہے کہ ڈاکٹر صاحب ان کا آپریشن کریں اور علاج کریں، اسی طرح اللہ والوں کا جو معاملہ ہوتا ہے روحانی مریضوں کے ساتھ وہ بھی ان کی اصلاح اور تربیت کے لیے ہوتا ہے اور ان روحانی مریضوں کے ساتھ محبت اور شفقت ہی کہا جائے گا۔ آتے ہی ہیں لوگ اصلاح وعلاج کے لیے، کوئی مریض ہو اس کو انجکشن کی ضرورت ہے، آپریشن کی ضرورت ہے، آپ لوگ آئیں اور دیکھیں کہ ڈاکٹر صاحب ہر ایک کے انجکشن لگا رہے ہیں، ہر ایک کے آپریشن کر رہے ہیں، اب یہ معاملہ دیکھ کر کہنے لگیں کہ صاحب بڑے سخت ڈاکٹر ہیں، جسے دیکھو اس کے سوئی چبھو رہے ہیں، آپریشن کر رہے ہیں، تو ایسا کہنا صحیح ہے؟ نہیں! کیوں؟ ارے وہ سب مریض ہی ہیں سوئی والے، وہ خواہش مند ہیں کہ ڈاکٹر صاحب آئیں اور ہمارے سوئی لگائیں۔ کیا یہ سوئی لگانا اور آپریشن کرنا اس کو سختی کہا جائے گا؟ بلکہ خوشی ہوتی ہے اور ڈاکٹر صاحب کے احسان مند ہوتے ہیں، ساتھ میں خوشی خوشی فیس بھی دیتے ہیں، ایسے ہی بھائی اللہ والوں کے یہاں جو ڈانٹ پڑتی ہے اور خفگی ہوتی ہے وہ بھی ایک طرح کا آپریشن ہے اس پر بھی خوش ہونا چاہیے اور ان کا احسان مند ہونا چاہیے کہ انہوں نے ہمارا علاج کر کے مہلک مرض سے بچا لیا، لیکن بڑا عجیب معاملہ ہے کہ یہاں اس کو سختی کہتے ہیں، یہ کیا معاملہ ہے؟

امراضِ روحانی کے علاج کی فکر نہیں ہے

بات یہ ہے کہ ہمارے ذہنوں میں آج کل جسمانی امراض اور اس کے نقصانات کی تو اہمیت ہے، اسی لیے تھوڑی سی بھی تکلیف ہوئی تو فوراً اس کے علاج کی فکر ہوتی ہے، اسی وجہ سے اس کے لیے ہر مشقت کو آسانی کے ساتھ برداشت کر لیتے ہیں اور معالج کا شکریہ بھی ادا کرتے ہیں، فیس بھی دیتے ہیں، اور روحانی بیماریوں کے نقصانات اور اس کے نتائج کی اتنی اہمیت نہیں، اسی لیے اس کے علاج کی فکر بھی کم ہوتی ہے اور اس راستے میں نفس پر ذرا سی گرانی ہوئی اور مجاہدہ ہوا تو سمجھتے ہیں کہ بڑی سختی ہے اس راستے میں اور علاج کو مشکل سمجھتے ہیں

حالاں کہ یہ معاملہ نہیں ہے، تھوڑی سی فکر اور ہمت کی ضرورت ہے پھر تو معاملہ آسان ہے۔

سختی اور مضبوطی کی حقیقت

اسی سلسلے میں ایک بات اور ہے کہ عموماً لوگ سختی اور مضبوطی میں فرق نہیں کرتے دونوں کو ایک ہی سمجھتے ہیں جس کی بنا پر اگر کوئی بڑے اور بزرگ اپنے اُصول پر مضبوط اور پختہ ہیں تو ان کے متعلق کہہ دیا جاتا ہے کہ صاحب وہ تو بڑے سخت ہیں، حالاں کہ وہ ایسے نہیں ہوتے، تو خرابی کی وجہ یہی ہے کہ دونوں کو ایک سمجھ لیا جاتا ہے جس کی بنا پر ایسا فیصلہ کر لیا۔ سخت ہونا اور چیز ہے، مضبوط ہونا اور چیز ہے۔ دونوں الگ الگ ہیں۔ حضرتِ والا حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی نوّر اللہ مرقدہٗ ہی نے فرمایا کہ لوگ سختی اور مضبوطی میں فرق نہیں کرتے، فرمایا کسی کے اُصول سہل ہوں اور وہ اس کی پابندی کرے تو یہ مضبوطی ہے، سختی نہیں ہے۔ سختی اور چیز ہے۔ ان دونوں میں فرق کے لیے فرمایا کہ زنجیر سخت ہے، کسی کو زنجیر سے باندھو، تکلیف ہوگی یا نہیں ہوگی؟ لیکن کسی کو ریشم کے رسّے سے باندھو تو تکلیف ہوگی؟ نہیں ہوگی، حالاں کہ وہ زنجیر سے زیادہ مضبوط ہے۔ ہاتھی کو باندھتے ہیں ریشم کے رسّے سے۔ ٹس سے مس نہیں ہوسکتا ہے۔ زنجیر میں سختی ہے اور ریشم کے رسّے میں سختی نہیں ہے وہ نرم اور ملائم ہے لیکن اس میں مضبوطی ہے، فرمایا ایسے ہی اُصول کی پابندی ریشم کا رسّہ ہے، اس کو سختی نہیں کہا جائے گا۔ تو حضرتِ والا تھانوی کے یہاں اُصول کی پابندی تھی، جس کو مضبوطی تو کہا جائے گا سختی نہیں کہا جائے گا۔

اہل اللہ کی فہمایش اپنی ذات کے لیے نہیں ہوتی

ہاں اُصول کی خلاف ورزی پر تنبیہ و فہمایش یہ اپنی ذات کے لیے نہیں ہوتی بلکہ آنے والوں کے نفع اور اصلاح کے لیے ہوتی ہے۔ اللہ والوں کی ڈانٹ ڈپٹ اپنی ذات کے لیے نہیں ہوتی۔ ایک واقعہ یاد آگیا، حضرت کا معمول تھا کہ دوپہر کو خانقاہ ہی میں رہتے اور آرام فرماتے، ایک مرتبہ حسبِ معمول دوپہر کو خانقاہ میں تھے کہ ایک شخص آیا اور السلام علیکم کہہ کر سلام کیا، آپ نے وعلیکم السلام فرماکر اس کے سلام کا جواب دیا، اس کے بعد وہ اِدھر اُدھر

دیکھنے لگا جیسے کسی کو تلاش کررہا ہو۔ اس کے بعد وہ کہنے لگا: اجی! مولوی اشرف علی کہاں ہیں؟ حضرت نے فرمایا: کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ ان سے ملنا ہے۔ آپ نے فرمایا: کہو کیا بات ہے؟ میں ہی ہوں، کہو۔ اس پر اس نے کہا کہ تو جھوٹ کیوں بولے ہے؟ اس طرح سے اس نے کہا، تو اس پر آپ کو غصہ آنا چاہیے تھا کہ نہیں؟ اور آپ کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ بد گمانی کیوں کرتے ہو؟ مگر حضرت کو غصہ نہیں آیا بلکہ اس سے پوچھا کہ بھائی تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں؟ اس نے کہا کہ ہم نے جب پہلے دیکھا تھا تو بہت سرخ تھے، تمہاری ویسی شکل نہیں ہے، تو حضرت نے پوچھا کہ کتنے دن ہوئے دیکھا تھا؟ کہنے لگا کہ اٹھارہ سال ہوئے۔ تو وہ اٹھارہ سال والی جو کیفیت تھی وہ آج بھی چاہ رہا تھا، وہ اٹھارہ سال والی جو حالت تھی اس کو خواجہ صاحب نے فرمایا ؎

چمکتی ہیں آنکھیں دمکتا ہے چہرا
بڑھاپے میں بھی جانِ جاں

حضرتِ والا کی شان میں فرمایا۔ بہر حال جب وہ نہیں مانا تو حضرتِ والا نے فرمایا کہ سامنے جاؤ وہاں تعمیری کام ہو رہا تھا ان سے پوچھ لو، وہاں گیا اور جاکر پوچھا تو ان لوگوں نے کہا: ارے وہی تو ہیں بڑے حضرت مولانا: اب وہ لوٹ کر آیا تو کہا: اجی مولوی جی خطا ہوئی معاف کرو۔ حضرت نے فرمایا اچھا معاف ہے۔ پھر حضرت نے پوچھا کہ کام کیا ہے؟ کام تو بتلاؤ، کہنے لگا کہ میں یہ پوچھوں کہ میں تمہیں کچھ دوں لے لوگے؟ فرمایا: ہاں بھائی، تو اس نے اکنی نکالی، اس وقت اکنی میں چار پیسے ہوتے تھے، ایک روپے میں سولہ اکنیاں ہوتی تھیں، نئے لوگ نہیں جانتے ہیں اس کو، تو ایک اکنی نکالی اور یہ کہا کہ ایک پیسہ تو لے لے، یہ الفاظ تھے اس کے، کہ ایک پیسہ تو لے لے اور تین ہمیں دے دے، اس وقت ٹوٹے پیسے تھے نہیں، تو حضرت نے اپنے خادم کو بلایا، حضرت کے یہاں خدّام بھی تھے ذاتی کام کے لیے، اس سے فرمایا کہ یہ اکنی لے جاؤ اس کے پیسے تڑا کر لے آؤ، وہ پیسے تڑا کر لے آیا تو آپ نے تین پیسے اس کو واپس کرائے اور ایک پیسہ خود لے لیا۔ بولیے صاحب! آنے والے نے کس طرح کی بات چیت کی اور کیسا معاملہ کیا! مگر حضرتِ والا نے بجائے ناراض اور خفا ہونے کے کس شفقت اور محبت کا معاملہ فرمایا۔ تو یہ حضرات اپنی ذات کے لیے خفا نہیں ہوتے، ان کا معاملہ تو اللہ واسطے ہوتا ہے، ان کی خفگی اور ڈانٹ آپ کی اپنی ذات کے لیے نہیں ہوتی بلکہ ہمارے فائدے کے لیے ہوتی ہے کہ ہماری اصلاح ہو جائے، ہم بن جائیں۔

شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا امتحان

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کیا شان تھی اور کتنے بڑے عالم تھے؟ آپ لوگ جانتے ہی ہیں۔ ان کا وعظ کیسا ہوتا تھا؟ اس میں کیا اثر ہوتا تھا؟ اور حضرت کے وعظ میں مجمع کے بارے میں کیا کہا جائے؟ ایک مرتبہ وعظ فرمارہے تھے، ایک شخص کھڑا ہوتا ہے وعظ میں، نہ سلام نہ کلام، کھڑے ہوتے ہی مولانا کو مخاطب کر کے کہنے لگا: مولانا! آپ حرام زادے ہو کر وعظ کہتے ہیں۔ بولو اس کلمے کو سن کر غصہ آئے گا کہ نہیں آئے گا؟ بلاوجہ کسی کو حرام زادہ کہے تو کیا اثر ہوگا؟ وہ ہاتھ سنبھال لے گا کہ نہیں، ڈنڈا سنبھال لے گا کہ نہیں سنبھال لے گا؟ بولو، پھر یہ کہ مجمع میں تو اکثر لوگ معتقد ہی ہوتے ہیں تو ایسے موقع پر مجمع پر اس کا کیا اثر پڑے گا؟ لیکن حضرت کو غصہ نہیں آیا، اور مجمع کی طرف اشارہ فرمایا کہ خاموش رہو، سب خاموش ہوگئے۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ بات ایسی نہیں ہے، میرے والدین کا نکاح ہوا، اس کے گواہ اب تک موجود ہیں اور نکاح و گواہ کے بعد جو اولاد پیدا ہوتی ہے وہ ثابت النسب ہوتی ہے، کسی نے آپ سے غلط کہہ دیا۔ اس بات کے فرمانے کے بعد پھر آپ وعظ کہنے لگے۔ یہ اکابر تھے، ان کی یہ شان تھی۔ جب وعظ ختم ہوگیا تو وہ شخص فوراً حضرت کے پیروں پر گر پڑا اور کہا کہ میں تو آپ کو ایسا نہیں سمجھتا تھا۔ آپ کی ڈانٹ ڈپٹ جو ہوتی تھی اس کے امتحان کے لیے میں نے ایسا کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ واسطے سختی ہے یا اپنے واسطے سختی ہے۔ کسی کے مکان میں آگ لگی ہو تو اس کو نرمی سے سمجھایا جائے گا؟ سوچو کوئی کنوئیں کے قریب کھڑا ہے تو وہاں نرمی سے سمجھائے گا یا ہاتھ پکڑ کر کھینچے گا دھکا دے دے گا کہ آدمی دوسری طرف کو چلا جائے گا، تو کیا اس کو سختی کہیں گے یا ہمدردی کہیں گے؟ خود سوچنے کی چیز ہے کہ کس کے ساتھ ہمدردی کس طرح کرنا چاہیے اور اس کا موقع محل کیا ہے؟ یہ چیزیں سیکھنے کی ہوتی ہیں کہ کس وقت کیا معاملہ کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کے قہر سے اس کو بچالیا

ایک بزرگ تھے ان کا معاملہ عجیب تھا، ایک دفعہ ایک شخص نے مارا پیٹا اور کچھ بُرا

کلمہ کہا تو خادم سے کہا کہ ارے جلدی بدلہ لے لے، خادم نے بھی جلدی کی، بعد میں اس نے کہا کہ اجی حضرت! یہ معاملہ آپ کا میری سمجھ میں نہیں آیا کہ آپ ایسے موقع پر دوسروں کو صبر کی تلقین کرتے ہیں اور خود آپ کا معاملہ یہ ہے کہ اس نے تھپڑ مارا تو آپ نے بھی بدلہ لے لیا۔ اس پر ان بزرگ نے فرمایا کہ بھائی میرا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا ہے کہ جو مجھے ستاتا ہے ظلم کرتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا قہر نازل ہو جاتا ہے، تو اس وقت میں نے سوچا کہ بھائی بدلہ نہیں لوں گا تو اللہ تعالیٰ کے قہر میں یہ مبتلا ہو جائے گا۔ اب تھپڑ سے ہی کام چل جائے گا اور قہر سے بچ جائے گا، اس لیے میں نے تھپڑ لگوایا فوراً۔ تو بظاہر بدلہ لے رہے ہیں لیکن اس میں بھی ہمدردی ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے قہر سے بچا رہے ہیں۔

حقوق العباد کی تلافی کا انعام

حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری نوّر اللہ مرقدہٗ کس شان کے تھے؟ یہ تو آپ لوگوں کو معلوم ہی ہے۔ حضرت کی ایک بات خاص دیکھی کہ دین کے یا اہلِ دین کے خلاف اگر کوئی کلمۂ نامناسب استعمال کرتا بے ادبی کا استعمال کرتا تو پھر حضرت کو ضبط نہیں ہوتا، شمشیر برہنہ کی طرح ہو جاتے ہیں۔ میں آپ سے ہی پوچھتا ہوں کہ کوئی ہمارے اور آپ کے سامنے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور اس سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے تو کیا اس کو برداشت کر سکتے ہیں؟ دین کس کا بھیجا ہوا ہے؟ اللہ کا۔ اس کو کون لایا؟ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام نے اپنے خون سے اس کو سینچا ہے، اگر ان کی کوئی بے ادبی وبے حرمتی کرے تو اس کو کیسے برداشت کر سکتے ہو؟ جب ہم اور آپ اس کو برداشت نہیں کر سکتے تو پھر حضرت کی شان تو اس سلسلے میں بہت نمایاں تھی۔ چناں چہ ایک مرتبہ آپ کے یہاں ایک شخص آیا بات چیت ہوتی رہی، بعضے لوگ ہوتے ہیں کہ علماء کی شان میں نامناسب کلمات کہہ دیا کرتے ہیں، انہوں نے بھی اس طرح کی بات کہی تو حضرت کو کہاں برداشت؟ اس پر حضرت مولانا نے بہت ڈانٹا ڈپٹا، خیر ہو گئی بات۔ اب سنیے ان حضرات کا معاملہ کیسا ہوتا ہے؟ شام کو مغرب کے بعد خیال آیا کہ فلاں شخص جو میرا مرید بھی نہیں شاگرد بھی نہیں اس کو آج میں نے زیادہ ڈانٹا تھا، یہ حضرات اپنا بھی محاسبہ کرتے

تھے، یہ نہیں کہ اپنی اصلاح سے غافل رہتے۔ قریب میں ان کا گاؤں تھا، یہ خیال جیسے ہی آیا فوراً چل دیے۔ سردی کا زمانہ تھا، راستہ بھی بھول گئے، مختصر یہ کہ جب وہاں پہنچے تو وہ تاپ رہے تھے۔ حضرت کو دیکھا تو ان کی عید ہوگئی کہ حضرت آگئے، حضرت آگئے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ بھائی آج دوپہر کو میں نے تم کو ڈانٹا تھا اس کو معاف کردو، انہوں نے کہا کہ ارے حضرت! آپ تو ہمارے دادا کے برابر ہیں، آپ نے ہم کو جو ڈانٹا تھا وہ تو ہمارے ہی فائدے کے لیے تھا، آپ نے فرمایا نہیں بھائی! معاف کردو۔ اس نے کہا اچھا حضرت معاف کردیا۔ پھر انہوں نے کہا کہ حضرت اب چائے پی لیجیے۔ چائے سے فارغ ہوکر حضرت نے فرمایا کہ اچھا، اب چھوڑ کر آؤ، چناں چہ وہ پہنچانے گئے، اس معاملے کی تلافی کے لیے دو ڈھائی گھنٹے بلکہ تین گھنٹے صَرف کیے، خیر رات کو تو یہ معاملہ ہوا، اس کی صبح کو حضرت نے فرمایا کہ دیکھو بھائی حق العبد کی تلافی میں نفس کی پامالی ہے، یہ ہے بڑا مجاہدہ، مگر حق تعالیٰ نے اس پر فوراً انعام کیا، وہ یہ کہ اسی رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک دریا ہے، اس میں ایک کشتی چل رہی ہے، کشتی میں رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوار ہیں، میں بھی ایک کشتی پر سوار ہوں، میری کشتی پیچھے پیچھے چل رہی ہے، سرورِعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے علی! عبدالغنی کی کشتی کو میری کشتی سے باندھ دو، کشتی باندھ دی گئی، کشتی کو کشتی سے باندھنے کے لیے جو ملانے میں کھٹ کی آواز ہوتی ہے حضرت فرماتے تھے کہ وہ آواز اب تک کانوں میں گونجتی ہے اور وہ منظر اب تک سامنے ہے۔

أُولٰئِكَ اٰبَائِيْ فَجِئْنِيْ بِمِثْلِهِمْ
إِذَا جَمَعَتْنَا يَا جَرِيْرُ الْمَجَامِعُ

یہ تھی اکابر کی شان، اکابر ایسے تھے! میرے عرض کرنے کا منشا یہ ہے کہ اہل اللہ وبزرگانِ دین کی طرف سے جو معاملات پیش آتے ہیں ان کا منشا اصلاح وعلاج ہوتا ہے، جس کی بنیاد ہمدردی اور شفقت ہی ہے۔ قرآنِ پاک میں جو مؤمن کی شان بیان کی گئی ہے ان حضرات کی بھی وہی شان ہے، ان کے معاملات اس کے خلاف نہیں ہوتے۔ یہ حضرات تو بہت زیادہ کتاب وسنّت پر عمل کرنے کا اہتمام فرماتے ہیں۔ تو بات یہ چل رہی تھی کہ مومن کی شان بتلائی گئی ہے:

وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ

اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔

باہمی ہمدردی کا حقِ اسلامی کیا ہے؟

جب ایک دوسرے دینی دوست ہوئے تو اس تعلق اور دوستی کا حق کیا ہے اور یہ تعلق کیسے باقی رہے گا؟ اس کو آگے بیان کیا گیا:

يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ[۹]

نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بُری باتوں سے روکتے ہیں۔

اچھائیوں کو پھیلانا اور بُرائیوں سے روکنا یہ دینی حق ہے اور امتِ مسلمہ کا مستقل فریضہ ہے۔ اس کی یہ ڈیوٹی ہے کہ خود بھی طاعات کا اہتمام کرے اور گناہوں سے بچے، اسی کے ساتھ دوسروں کو بھی اچھائیوں کی دعوت دے، بُرائیوں سے روک ٹوک کرے۔ آج منکرات پر روک ٹوک کے سلسلے میں جیسی محنت اور کوشش ہونا چاہیے اس کے لیے جیسی فکر ہونا چاہیے اس میں کمی ہوتی جارہی ہے۔ آج روک ٹوک کی کمی سے بُرائیاں سیلاب کی طرح پھیلتی جارہی ہیں۔ ہمارے معاشرے میں مختلف قسم کے منکرات ہورہے ہیں مگر ہم کو اس کی اصلاح کی فکر نہیں اِلّا ماشاء اللہ۔ اپنی اولاد، اپنے متعلقین اور دوست واحباب کو ایک مکھی جو چائے کی پیالی میں پڑ گئی ہو اس کو نگلنے نہ دیں گے لیکن گناہوں کے روحانی سانپ اور بچھو ان کے پیٹ میں داخل ہوجائیں سب گوارا ہے، یہ کیا معاملہ ہے؟

پردۂ شرعی کے اہتمام میں کمی ہورہی ہے

اس وقت توجہ دلانے کے لیے بتلارہاہوں کہ پردہ یہ معاشرت کی چیز ہے، قرآنِ پاک میں اس کو بڑی توضیح وتشریح کے ساتھ بیان کیا گیا، اور اس کے اہتمام کا حکم دیا گیا، لیکن آج بے پردگی بڑھتی جارہی ہے، اس منکر کی اصلاح کی بڑی فکر کی ضرورت ہے۔ پردۂ شرعی آج کل

[۹] التوبۃ:۷۱

صلحا کے گھرانوں میں بھی نہیں ہے۔ طاعات ماشاء اللہ ہم خوب کرتے ہیں، اشراق و اوّابین پڑھتے ہیں، چاشت پڑھتے ہیں، تہجد پڑھتے ہیں، ذکر کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ گھر میں کتنی دفعہ بے پردگی ہوتی ہے؟ کتنی دفعہ گناہ کے اندر مبتلا ہوتے ہیں؟ سوچو اس کا اثر کیا ہوگا؟ احساس بھی نہیں، حالاں کہ مامورات کا تو ماشاء اللہ اہتمام ہے لیکن اسی کے ساتھ ایک شخص غیبت کیا کرتا ہے، ایک شخص میں ساری خوبیاں ہیں لیکن بخل کے اندر مبتلا ہے، اس کے قلب میں تکبر ہے، تو سوچو اس کا اثر کیا ہوگا؟ سب پر پانی پھر جائے گا، جنت میں نہیں جائے گا بغیر سزا بھگتے ہوئے جب تک کہ توبہ نہیں کرتا۔ اگر توبہ کرلی سچی تو پھر اس کا معاملہ تو الگ ہے، بعضے گناہ تو وقتی ہوتے ہیں، تھوڑی دیر کے لیے کسی کی رعایت میں گئے کہیں شادی خانہ میں اور وہاں بے احتیاطی ہوگئی غلطی ہوگئی، بُرائی ہوگئی، گانا باجا ہو رہا تھا وہاں بے احتیاطی ہوگئی وقتی طور پر، لیکن بے پردگی یہ کتنی دفعہ دن میں ہوتی ہے اور کتنی دفعہ یہ گناہ ہوتا ہے مگر اس کا احساس بھی نہیں، اور فکر بھی نہیں، قابلِ فکر چیز ہے یہ۔ اس منکر کے اصلاح کی ضرورت ہے۔

طاعات کا نور گناہ سے غائب ہو جاتا ہے

لوگ شکایت کرتے ہیں کہ صاحب ہم طاعات کرتے ہیں مگر ہم کو اس کے فائدے نہیں محسوس ہوتے۔ تو بھائی بات یہ ہے کہ طاعات کے ساتھ گناہ بھی کرتے رہتے ہیں تو پھر اس کے فائدے کیسے مرتب ہوں گے؟ اور میں اس کی توضیح ایک مثال سے کرتا ہوں کہ ایک ٹنکی ہے بڑی، اس میں پانی بھرا جائے رات بھر، اب جب صبح کو گئے دیکھنے کے لیے کہ ٹنکی بھر گئی ہوگی پانی سے، جا کر دیکھا تو وہ بھری ہی نہیں، ارے کیا بات ہوگئی؟ دیکھا تو نیچے اس کی ٹونٹی کھلی ہوئی ہے جتنا پانی ٹنکی میں آیا وہ اس کے ذریعے سے نکل گیا، ایسے ہی طاعات کا جو نور ہوتا ہے وہ ٹھہرنے نہیں پاتا کہ گناہ کے ذریعے غائب ہوتا ہے۔ اس لیے گناہ سے بچنے کی ضرورت ہے۔

قانونی سزا سے بے پردگی کا انسداد

شریعت میں ہر چیز کے آداب وحدود ہیں، ہر کام کے طریقے ہیں، ان کو معلوم کیا جائے اور اس کے موافق معاملہ کیا جائے تو اس سے بڑی آسانی اور سہولت ہو جائے گی۔ کسی کے گھر میں

پردہ نہیں ہے اور وہ پردہ کرنا چاہتا ہے تو اس کے حدود ہیں اس کو معلوم کرے، شرعی پردہ کو بہشتی زیور میں تفصیل سے لکھ دیا گیا ہے اس کو دیکھا جائے۔ کچھ کچھ تو مشقت ہوتی ہی ہے، اور میں کہتا ہوں کہ اگر قانون لگا دیا جائے کہ جو شخص بے پردگی میں پکڑا جائے گا اور بے پردگی ثابت ہو جائے گی تو زیادہ نہیں صرف چھ مہینے کی سزا با مشقت ہوگی، یا کچھ نہیں پندرہ منٹ کے لیے مرغا بنایا جائے گا، پندرہ منٹ کے لیے گدھا بھی بنا دیا جائے گا۔ کیا معنٰی گدھا بنا دینے کے کہ گدھے کی شکل میں کھڑا کر کے دھوبی کے پرانے کپڑے لاد کر پچاس قدم چلوا دیا جائے گا۔ بس اتنی سزا مقرر کر دی جائے، زیادہ نہیں، تو پھر دیکھو پردہ ہونے لگ جائے گا یا نہیں؟ جب دنیا کی سزا کے ڈر سے اس کا اہتمام کیا جا سکتا ہے تو پھر آخرت کی سزا اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے ڈر اور خیال سے جو کہ بے پردگی کی وجہ سے ہوگی اس سے اور زیادہ بچنا چاہیے۔

بے پردگی کے نقصانات کو بار بار بتلایا جائے

جس چیز کی اہمیت ذہن میں ہوتی ہے اس کے لیے آدمی سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے اور اس کے لیے کرتا ہے سب کچھ، بعضے خاندانوں میں ہوتا ہے مونچھیں بڑی بڑی رکھنے کا دستور، تو ایک خاندان میں یہی دستور تھا، ایک صاحب کے لڑکے نے مونچھیں نہیں رکھیں تو انہوں کہا کہ ٹھیک ہے ہم تم کو موقع دیتے ہیں کہ مونچھیں بڑھا کر رکھیں ورنہ میں تم کو عاق کر دوں گا، گھر سے نکال دوں گا۔ جی، اس کہنے کے بعد اب کیا ہوا؟ وہ صاحب زادے چلنے لگ گئے اسی طریقے سے۔ تو میرے عرض کرنے کا منشا یہ ہے کہ جس کی اہمیت ذہن میں ہوتی ہے تو پھر اس کے لیے آدمی سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے چاہے اس میں کتنی مشقت ہو، اس لیے ضرورت ہے کہ پردہ کی اہمیت کو اور بے پردگی کے مفاسد اور اس کے نقصان کو بار بار بتلایا جائے تاکہ ذہن میں اس کی اہمیت بیٹھے، ایسے ہی عورتوں کو نرمی سے سمجھاؤ، سختی کی ضرورت نہیں۔

امّہات المؤمنین سے پردہ کا حکم

اسی سلسلے میں ایک بات اور مختصراً عرض کر دوں تاکہ اندازہ ہو کہ یہ کتنی اہم چیز ہے، ارشادِ ربّانی ہے:

وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ [۱۰]

اور جب تم اُن سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگا کرو، یہ بات تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے۔

اس آیت میں جن کو پردہ کا حکم دیا گیا ہے ان میں مردوں میں صحابۂ کرام ہیں اور عورتوں میں ازواجِ مطہرات ہیں۔ صحابۂ کرام کی شان کو دیکھو مردوں میں ان سے بڑھ کر کوئی نیک اور پاک باز نہیں ہو سکتا ہے، اور ادھر ازواجِ مطہرات کی شانِ عالیہ کو دیکھو کہ جن کے دلوں کو پاک وصاف رکھنے کا ذمہ حق تعالیٰ نے خود لیا ہے، فرمایا گیا:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا [۱۱]

اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اے گھر والو! تم سے آلودگی کو دور رکھے اور تم کو پاک وصاف رکھے۔

اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اے پیغمبر کے گھر والو تم سے آلودگی کو دور رکھے اور تم کو پاک وصاف رکھے۔ اور پھر امت کی مائیں ہیں، یہ شرف ہے ان کا۔ پھر بھی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کہ دیکھو کبھی کوئی ضرورت پڑا کرے کوئی چیز لینے کی، اور کوئی محرم نہیں ہے، کوئی چھوٹا بچہ نہیں ہے تو ایسی حالت میں کوئی چیز مانگا کرو تو پردے اور آڑ سے مانگا کرو، فرمایا کہ ہم جانتے ہیں کہ تم پاک دل ہو، صاف دل ہو لیکن ہم یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے دل زیادہ پاک وصاف ہو جائیں یا رہیں۔ جیسے اب تک دونوں جانبین کے دل پاک ہیں آیندہ بھی ہمیشہ کے لیے ایسے ہی رہیں۔

ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ

یہ بات تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے۔

یہ بات تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے۔اس کی میں توضیح کرتا ہوں ایک مثال سے، گرمیوں میں ماشاء اللہ روزہ رکھتے ہیں، پیاس بھی لگتی ہے، ضبط بھی کرتے ہیں، اب ایسی حالت میں کہیں ہم جا رہے ہیں صراحیاں اور ٹھنڈے پانی کی بوتلیں سامنے

---

[۱۰] الاحزاب:۵۳
[۱۱] الاحزاب:۳۳

آئیں، تو کیا نفس نہیں چاہتا کہ پی لو؟ تقاضا تو ہوتا ہے، کیا اس تقاضے سے روزے میں کچھ کراہت آتی ہے؟ کچھ نہیں، لیکن ایسے میں ضبط کرتا ہے تو اور زیادہ اجر ملتا ہے۔ تو ایسے ہی فرماتے ہیں کہ ہم چاہتے ہیں کہ پاک وصاف تو تمہارے نفوس ہیں اور زیادہ پاک وصاف رہیں، وسوسے بھی نہ آئیں، گو وسوسے میں مؤاخذہ نہیں ہوتا۔ کوئی چیز سامنے آجاتی ہے تو اور اثر پڑتا ہے، آڑ میں ہو جاتی ہے تو اور اثر پڑتا ہے۔ وہی صراحی اور ٹھنڈے پانی کی بوتلوں والا معاملہ کہ سامنے آجائیں تو اور بات ہوتی ہے اور سامنے نہ ہوں تو دوسری کیفیت ہوتی ہے، تو اتنے پاکباز جو لوگ ہیں ان کو دل کی صفائی اور نفسانی وساوس سے بچنے کے لیے یہ حکم دیا گیا ہے کہ درمیان میں پردہ ہونا چاہیے تو ہمہ شما کے لیے تو اور زیادہ ضروری ہے کہ اس کا اہتمام اور پابندی کریں۔

دیور سے بے پردگی کا انجام

بلی کے جھوٹے کے لیے جو سہولت دی گئی ہے کہ اس کا جھوٹا نجس اور ناپاک نہیں ہے۔ وہ کیوں ہے؟ اس کی وجہ بھی بیان فرمائی گئی ہے:

اِنَّهَا مِنَ الطَّوَّافِيْنَ عَلَيْكُمْ [۱۲]

یہ تمہارے پاس آنے جانے والوں میں سے ہیں۔

اس کا آنا جانا زیادہ رہتا ہے، گھروں میں اس کو پالتے ہیں، مانوس جانور بھی ہے، ظاہر ہے کہ برتنوں میں بھی منہ ڈال دیتی ہے، ایسی صورت میں اگر اس کے جھوٹے کے نجس ہونے کا حکم لگا دیا جاتا تو اس سے تنگی اور مشقت ہو جاتی۔ اس لیے شریعت نے اس سلسلے میں سہولت دی ہے۔ اب بعضوں کے ذہنوں میں آیا کہ بلی کا زیادہ آنا جانا رہتا ہے جس کی بنا پر اس کے جھوٹے کے سلسلے میں سہولت دی گئی ہے ایسے ہی گھر میں شوہر کے بھائی کا آنا جانا بھی زیادہ رہتا ہے تو ہو سکتا ہے اس سے پردہ نہ ہونے میں بھی کوئی گنجایش ہو۔ اسی لیے سوال کیا کہ شوہر کے بھائی کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے اس کا جواب ارشاد فرمایا۔ اس کے عرض کرنے سے پہلے ایک بات عرض کر دوں تاکہ اس جواب کی اچھی طرح توضیح ہو جائے، ہمارے اُردو زبان میں جب کسی کی تعریف کرتے ہیں مثال کے طور پر بہادری میں تو اس کے دو طریقے

[۱۲] جامع الترمذی: ۱/۲۷، باب ما جاء فی سؤ الهرة، ایچ ایم سعید

ہیں: ایک تو یوں کہتے ہیں کہ زید مثل شیر کے ہے، اور ایک یوں کہتے ہیں کہ زید شیر ہے۔ تو دونوں میں فرق ہے کہ نہیں؟ فرق ہے۔ زید کی تعریف اور اس کی بہادری تو دونوں صورتوں میں ہو رہی ہے لیکن دونوں میں فرق ہے، ایک میں مبالغہ کم ہے، دوسرے میں مبالغہ زیادہ ہے۔ ایسے ہی ایک دوسری مثال ہے، مان لیجیے کہ کوئی صاحب ہیں وہ قرآنِ پاک عمدہ پڑھتے ہیں، قواعد کی رعایت کرتے ہیں اور ماشاء اللہ آواز بھی اچھی ہے تو کہتے ہیں کہ فلاں شخص تو مثل قاری عبد الباسط صاحب کے پڑھتا ہے، اور ایک یہ کہ اس طرح کہیں کہ فلاں شخص تو قاری عبد الباسط ہو گیا تو دونوں میں فرق ہے کہ نہیں؟ پہلی بات میں مبالغہ کم ہے اور دوسری بات میں مبالغہ زیادہ ہے۔
تو آپ نے جو جواب ارشاد فرمایا وہ یہ ہے کہ **اَلْحَمْوُ الْمَوْتُ**[۱۳] دیور موت ہے۔
شوہر کا بھائی موت ہے۔ اس میں بھی وہی بات ہے کہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ شوہر کا بھائی مثل موت کے ہے، بلکہ یہ فرمایا کہ موت ہے، اس سے زیادہ مبالغہ اور شدت بیان کرنا مقصود ہے، کیوں بھائی بتلاؤ! موت طبعاً پسند ہے کہ نہیں؟ خواص کی بات تو چھوڑو، جو عشاق ہیں ان کا معاملہ تو الگ ہے، وہ تو کہتے ہیں کہ ؎

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم
راحتِ جاں طلبم وز پئے جاناں بروم

جیسے کسی سے کہا جائے کہ میاں ہوائی جہاز سے عمرہ کے لیے جاؤ گے مفت، رہنے کی جگہ بھی ملے گی مفت، تو سب تیار ہو جائیں گے شوق سے۔ ایسے ہی وہ موت کے مشتاق رہتے ہیں۔ وہ خوش ہوں گے جس دن اس جہاں سے جائیں گے، کیوں کہ محبوب پروردگار کے دربار میں حاضری ہو گی، یہ خواص کا معاملہ ہے، لیکن عام لوگوں کو موت طبعاً پسند نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر ابھی کسی سے کہا جائے کہ ٹھنڈے کا گلاس پیش کرنا چاہتا ہوں، اگر اجازت ہو تو پیش کروں، یا کسی سے کہا جائے کہ سو روپیہ ہدیہ دینا چاہتا ہوں اجازت ہو تو پیش کروں؟ تو اجازت دے دے گا کہ اچھی بات ہے، اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ دودھ کا گلاس ہے، اس کو پیش کرنا

۱۳؎ صحیح البخاری: ۲/۷۸۷ (۵۲۳۲)، باب لا یخلون رجل بامرأۃ الا ذو محرم والدخول علی المغیبۃ، المکتبۃ المظہریۃ

چاہتا ہوں، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں سے جو پی لے گا اس کا سفر وطنِ اصلی کا چھ گھنٹے میں ہو جائے گا، اس میں جمعہ کی نماز تو مل جائے گی۔ وصیت کا موقع مل جائے گا تو بھائی ایسے ہدیہ کو کون لے گا؟ اور کون اس کو پیے گا، کتنے آدمی اس کو پینے کے لیے ہاتھ بڑھائیں گے؟ کوئی تیار نہیں ہو گا اس کے لیے، کیوں؟ موت پسند نہیں عام لوگوں کو طبعاً، تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ جانتے ہو کہ شوہر کے بھائی کا کیا حکم ہے: اَلْحَمْوُ الْمَوْتُ دیور موت ہے۔ یوں نہیں کہا کہ مثل موت کے ہے بلکہ فرمایا موت ہے۔ جس طرح موت سے احتیاط کرتے ہو، پرہیز کرتے ہو ایسے ہی اس کے ساتھ بھی معاملہ کرو، اس سے بھی پرہیز کرو۔

تو ہی ہمت ہار ہے تو ہی ہمت ہار ہے

آپ کہیں گے کہ صاحب پردہ کیسے ہو گا؟ بڑی دِقّت و دشواری ہو گی، گھر چھوٹا ہے، تنگ ہے، تو بھائی بات اصل یہ ہے کہ تھوڑے سے اہتمام اور فکر کی ضرورت ہے۔ اگر ہم پردہ کرنا چاہیں، ہمارا بھائی پردہ کرنا چاہے تو آسانی کے ساتھ ہو جاتا ہے، ہمت اور ارادے کی ضرورت ہے، انسان جب کسی چیز کا ارادہ کر لیتا ہے اور ہمت سے کام لیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی نصرت ہوتی ہے، آسانی کے لیے شکلیں اور صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں، کمی ہماری ہے، کوتاہی ہماری طرف سے، ورنہ کوئی بھی دشواری نہیں ؎

طریقِ عشق میں تجھے جو چلنا دشوار ہے
تو ہی ہمت ہار ہے تو ہی ہمت ہار ہے

میں ایسے گھرانوں کو جانتا ہوں کہ جہاں چار بھائی رہتے ہیں، چاروں کی بیویاں ہیں اور ان کے یہاں شرعی پردہ چالو ہے۔ شریعت نے آسانیاں دی ہیں، صورتیں بتلائی ہیں۔ علماء سے پوچھیے، معلوم کریے۔ تو بے پردگی جو عام ہوتی جارہی ہے اور معاشرے میں یہ منکر پھیل رہا ہے اس کی اصلاح کی طرف توجہ دی جائے، عورتوں کو نرمی سے سمجھایا جائے، سختی کی ضرورت نہیں۔

دوسروں کی اصطلاحات کو نہ اختیار کیا جائے

ہاں ایک چیز یہ بھی عرض کر دوں کہ بات چیت کے سلسلے میں قابلِ اصلاح چیز یہ

بھی ہے کہ گفتگو کرنے میں احتیاط رکھی جائے۔ ہماری اُردو زبان میں دوسرے الفاظ داخل ہونا شروع ہوگئے، عربی و فارسی کے بجائے دوسرے الفاظ آنے لگ گئے، بولنے میں ذرا فکر رکھیں، پہلے سے جو عادتیں پڑی ہوئی ہیں اس کی اصلاح و درستگی کی طرف توجہ کی ضرورت ہے، ہلکے ہلکے اس کو چھوڑنے کی فکر اور اہتمام رکھا جائے، دوسروں کی مشابہت اختیار کرنا جس طرح اور چیزوں میں منع ہے ایسے ہی بولنے میں بھی دوسروں کی نقل اور ان کے الفاظ کے استعمال سے احتیاط کا حکم ہے۔ چناں چہ زمانۂ جاہلیت کے جو لوگ دیہاتی اور ناواقف تھے وہ مغرب کو عشاء اور عشاء کو عتمہ کہتے تھے تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ان الفاظ کو استعمال کرنے سے منع فرمایا، اور ارشاد فرمایا:

لَا یَغْلِبَنَّکُمُ الْاَعْرَابُ عَلٰی اسْمِ صَلَاتِکُمُ الْمَغْرِبِ [۱۴]

دیہاتی لوگ نمازِ مغرب کے نام لینے میں تم پر غالب نہ آجائیں۔

کہ دیکھو بھائی! دیہاتی لوگ جو ہیں، ناواقف جو لوگ ہیں وہ تمہارے اُوپر کیا غالب نہ آجائیں؟ کہ وہ مغرب کو عشاء، عشاء کو عتمہ کہتے ہیں، تو تم لوگ بھی ان کی اصطلاح کو اختیار کرنے لگو، یعنی ایسا نہ کرنا، اور مغرب کو مغرب کہنا، عشاء کو عشاء کہنا۔ یہ تو میں نے توجہ دلانے کے لیے یہ بات کہی کہ جہاں اور بہت سی چیزیں قابلِ اصلاح ہیں وہاں یہ چیز بھی ہے۔ چناں چہ حدیث سے بھی اس کی کتنی اہمیت معلوم ہوتی ہے کہ دوسروں کے الفاظ اور ان کی اصطلاح کے استعمال کرنے میں احتیاط کرنا چاہیے، فارسی اور عربی زبان میں الفاظ کی کوئی کمی نہیں ہے کہ دوسری زبان کے الفاظ کو بولا جائے۔

تو ہمی جوئی لب نان در بدر

اور معاشرت اور رہنے سہنے کے سلسلے میں عام طور پر صفائی ستھرائی میں بھی کمی ہوتی جارہی ہے۔ صفائی ستھرائی کی کتنی اہمیت ہے اور کتنی پسندیدہ چیز ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ مسائل کی کتابوں میں مستقل پاکی و صفائی کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔ آج

[۱۴] کنز العمال: ۷/۴۰۲ (۱۹۵۰۷)، مؤسسة الرسالة

عجیب حال ہورہا ہے لوگوں کا کہ عام طور پر صفائی وستھرائی کو انگریزوں کی چیز سمجھنے لگ گئے۔ عرصہ کی بات ہے کہ ایک صاحب تھانہ بھون خانقاہ میں تشریف لے گئے، وہاں حضرتِ والا کے یہاں نظم وضبط، صفائی وستھرائی تھی، تو وہ صاحب ان سب چیزوں کو دیکھ کر کہنے لگے کہ یہاں انگریزوں جیسا نظام ہے۔ ان کے ذہن میں گویا اصل وہ ہے، کیا حال ہورہا ہے؟ اپنی چیز بھول گئے۔ اسی کو مولانا نے فرمایا ؂

یک سبد پر نان ترا بر فرق سر
تو ہمی جوئی لب نان دربدر

ایک روٹیوں کا ٹوکرا تمہارے سر پر رکھا ہوا ہے اور تم روٹیوں کے ٹکڑے کے لیے بھیک مانگتے پھر رہے ہو۔ کتنی غفلت ہے؟ اور کتنی ناواقفیت ہے؟ شریعت نے، اسلام نے ہم کو سب چیزیں بتلائیں، لیکن ہماری توجہ ادھر نہیں ہے، اور یہ کتنی اہم چیزیں ہیں، نماز کتنی مہتم بالشان چیز ہے، لیکن اس کی تفصیل وترتیب نہیں بتلائی گئی۔ قرآنِ پاک میں رکعات نہیں بتلائی گئیں ہیں، اس لیے رسولِ اکرم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بتلاویں گے، لیکن معاملات ومعاشرت کے سلسلے میں تفصیلی طور پر ہدایات دی گئیں۔ قرض کے سلسلے میں مسلسل ایک رکوع نازل کیا گیا، آیت مداین ایک پورا رکوع ہے اس کے آداب اس کے حقوق کے بارے میں، جس سے اس کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ اسلامی معاشرت، اسلامی معاملات، اسلامی اخلاق یہ سب چیزیں اہم اور ضروری ہیں، آج ان میں کوتاہیاں ہورہی ہیں۔

امتِ مسلمہ کی یہ ذمہ داری ہے

معاشرت اور رہن سہن میں دوسروں کی دیکھا دیکھی اور نقل کی وجہ سے بہت سے منکرات پھیلتے جارہے ہیں، ان کی اصلاح کی فکر کی جاوے، یہ امتِ مسلمہ کی ذمہ داری ہے اور ہمدردی اور خیر خواہی کا تقاضا ہے۔ منکر کو منکر جاننا اور اس کو بُرا جاننا اور اس کی اصلاح ودرستگی کی فکر کرنا یہ تو ضروری ہے، لیکن جو کسی منکر میں مبتلا ہو تو اس کی تحقیر مت کرو، نکیر تو کرو مگر تحقیر مت کرو۔ کسی کا بیٹا بیمار ہوتا ہے تو کیا اسے وہ ذلیل سمجھتا ہے؟ نہیں! چچا اور باپ، دادا بیمار ہوں تو

انہیں کیا ذلیل سمجھتے ہو؟ نہیں! بلکہ ان کی عظمت اور محبت دل میں ہوتی ہے، ساتھ ہی ان کا علاج اور دوا کی بھی فکر کرتے ہو، ایسے ہی بھائی یہاں بھی معاملہ ہونا چاہیے۔ جو لوگ کسی منکر میں مبتلا ہیں تو وہ بھی روحانی بیمار ہیں ان کے ساتھ تحقیر کا معاملہ اور تذلیل کا معاملہ نہیں ہونا چاہیے۔

نکیر تو کرے مگر تحقیر نہ کرے

بزرگانِ دین کے یہاں اس کا بڑا اہتمام ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلے میں حدود کی رعایت کرتے ہیں۔ مجھے اس وقت ایک واقعہ یاد آیا جو حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے مواعظ میں بھی ہے کہ قاضی ضیاء الدین سنامی یہ محتسب تھے، حضرت سلطان الاولیاء سلطان نظام الدین کے ہم عصر ہیں، حضرت سلطان جی صاحبِ سماع تھے، سماع سنتے تھے، آپ کا جو سماع تھا اس کے لیے شرائط مقرر تھے، سننے والے کیسے ہونے چاہیے، فرماتے ہیں کہ

"سامع از اہلِ دل باشد، از اہلِ ہوا و شہوت نباشد" سننے والا اہلِ باطن ہو، اہلِ ہوائے نفسانی و اہلِ شہوت نہ ہو۔

یہ تو شرط تھی سننے والوں کے لیے، اب یہ کہ سنانے والا کیسا ہو؟ فرماتے ہیں:

"مسمع مرد تمام باشد، زن و کودک نباشد" سنانے والا پورا مرد ہو، عورت یا بے ریش لڑکا نہ ہو۔

سنانے والا اس قسم کا ہونا چاہیے ، تب جاکر اس کو سنانے کی اجازت ہوگی۔ اب یہ کہ جو سنایا جائے اس کا مضمون کس قسم کا ہونا چاہیے، فرماتے ہیں کہ

"مسموع مضمون ہزل نباشد" سننے کی جو چیز ہے اس میں کوئی بیہودہ مضمون نہ ہو۔

جو اشعار پڑھے جائیں ان کے مضامین بالکل صحیح اور درست ہونا چاہیے۔ اسی کے ساتھ ایک شرط اور بھی ہے:

"آلۂ سماع چنگ و رباب درمیاں نباشد" آلۂ سماع باجے گاجے نہ ہوں۔

باجے گاجے سننے سے تو آدمی فاسق ہو جاتا ہے، بزرگ کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر کسی کے لیے کوئی ثابت کرے، خوب دلائل سے ثابت کرے کہ فلاں بزرگ باجا گاجا سنتے تھے تو اسی دن سے

ہم انہیں بزرگ نہیں سمجھیں گے۔ حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں ہاتھوں کے باجے کے مٹانے کے لیے آیا ہوں، اور منہ کے باجے کو مٹانے کے لیے آیا ہوں۔ فتاویٰ قاضی خان اور دیگر فتاویٰ کی کتابوں میں ہے کہ جو شخص باجا اپنے گھر میں رکھتا ہے بجاتا نہیں ہے وہ بھی فاسق ہے، اس کی گواہی معتبر نہیں۔ وہ گھر میں کس لیے رکھا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ ارادہ ہے بجانے کا۔ یہ اس لیے عرض کیا کہ حضرت سلطان جی کا جو سماع تھا اس کے یہ حدود تھے، اس لیے وہ درست تھا، جائز تھا، لیکن قاضی ضیاء الدین سنامی اس پر بھی نکیر کیا کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ لوگ یہ تو دیکھیں گے نہیں کہ سلطان جی سماع کن شرائط کے ساتھ سنتے تھے، پورے حدود کے ساتھ سنتے تھے، جو اشعار پڑھے جاتے تھے وہ بھی بالکل صحیح اور درست ہوتے تھے، ان سب چیزوں کو نہیں دیکھیں گے، وہ تو صرف یہ دیکھیں گے کہ سلطان جی صاحبِ سماع تھے، اس کو دلیل بنالیں گے، اس لیے قاضی صاحب اس پر نکیر کیا کرتے تھے۔ چناں چہ ایک بار قاضی صاحب کو معلوم ہوا کہ سلطان جی کے یہاں سماع ہو رہا ہے تو وہ اپنی فوج کو ساتھ لے کر روکنے آئے، یہاں پہنچ کر دیکھا کہ ایک بڑا شامیانہ قائم تھا اور اس کے اندر سلطان جی کی جماعت کا اس قدر ہجوم تھا کہ قاضی صاحب کو اندر جانے کا راستہ نہ ملا، تو انہوں نے حکم دیا کہ خیمہ کی طنابیں کاٹ دو تاکہ مجمع منتشر ہو جائے، فوج نے خیمہ کی طنابیں کاٹ دیں مگر خیمہ اسی طرح ہوا پر معلّق رہا، گرا نہیں، قاضی صاحب نے اپنی جماعت سے فرمایا کہ اس سے دھوکا نہ کھانا، بدعتی سے خوارق کا صدور ہو سکتا ہے اور یہ قبولیت کا سبب نہیں، اس وقت تو واپس ہو گئے، دوسرے وقت حضرت سلطان جی کے گھر پر گئے اور فرمایا کہ تم سماع سے توبہ نہ کرو گے؟ سلطان جی نے فرمایا کہ اچھا اگر ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پچھوا دیں جب تم منع نہ کرو گے؟ کہا: اچھا پچھوا دو۔ چناں چہ سلطان جی نے ان کی طرف توجہ کی تو ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت مکشوف ہوئی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان سے فرما رہے تھے کہ فقیر کو کیوں تنگ کرتے ہو؟ قاضی صاحب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مجھے کچھ خبر نہیں کہ میں کس حال میں ہوں، جاگ رہا ہوں یا سو رہا ہوں یا مدہوش، اور آپ کے جو ارشادات حضراتِ صحابہ نے بیداری کی حالت میں آپ سے سن کر بیان فرمائے ہیں وہ اس ارشاد سے اولیٰ اور اقدم ہیں جو میں اس وقت سن رہا ہو۔ اس پر حضور

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور یہ حالت ختم ہوگئی، تو سلطان جی نے کہا کہ دیکھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا فرمایا! اس پر قاضی صاحب نے فرمایا کہ دیکھا ہم نے اس پر کیا عرض کیا۔ اس گفتگو کے بعد قاضی صاحب بیٹھے ہی تھے کہ ان ہی کے سامنے قوّال کو اشارہ کیا، اس نے پڑھنا شروع کیا، قوّال نے کوئی شعر پڑھا جس پر سلطان جی کو وجد ہوا اور وہ کھڑے ہوگئے تو قاضی صاحب نے ہاتھ پکڑ کر بٹھلادیا، تھوڑی دیر میں غلبۂ وجد سے سلطان جی پھر کھڑے ہوئے تو پھر دوبارہ قاضی صاحب نے ان کو بٹھلادیا، پھر تھوڑی دیر میں غلبۂ وجد سے سلطان جی کھڑے ہوگئے، تو اس تیسری دفعہ قاضی صاحب ہاتھ باندھ کر سلطان جی کے سامنے کھڑے ہوگئے، اس پر لوگوں کو بالخصوص قاضی صاحب کی جماعت والوں کو بڑا تعجب اور بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کیا ہونے لگا! اس معاملے سے سب کا خیال یہ ہوا کہ بس آیندہ اب قاضی صاحب سماع سے منع نہ کریں گے مگر جب مجلسِ سماع ختم ہوئی تو قاضی صاحب یہ کہہ کر اُٹھے کہ اچھا میں پھر کبھی آؤں گا اور تم کو اس بدعت سے روکوں گا۔ اب جب وہاں سے واپس ہونے لگے تو لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا بات تھی کہ آپ تیسری مرتبہ ہاتھ باندھ کر سلطان جی کے سامنے کھڑے ہوگئے؟ تو فرمایا: بات یہ ہے کہ پہلی دفعہ جب وجد آیا تو ان کی روح پہلے آسمان تک پہنچی یہاں تک میری بھی پہنچ تھی، لہٰذا میں ان کو واپس لایا، دوسری مرتبہ جو وجد ہوا تو ان کی روح عرش کے نیچے پہنچی یہاں تک بھی میری رسائی تھی، وہاں سے واپس لایا اور بٹھلادیا، تیسری بار جو وجد ہوا تو ان کی روح فوق العرش پہنچی میں نے چاہا کہ وہاں سے بھی واپس لاؤں کہ ملائکۂ عرش نے روک دیا کہ عرش کے اوپر نظام الدین ہی جاسکتے ہیں تم نہیں جاسکتے ہو، اس وقت مجھے عرش کی تجلیات نظر آئیں۔ ان تجلیات کے سامنے میں دست بستہ کھڑا ہوا تھا۔ میں بدعتی کے سامنے تھوڑا ہی دست بستہ ہوا تھا بلکہ تجلیاتِ الٰہیہ کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ وہ چاہے عرش سے اوپر پہنچ جائے مگر اس بدعت سے پھر بھی منع کروں گا۔ اس سے اندازہ ہوا کہ قاضی صاحب بھی بڑے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ مقامات تھے اور سلطان جی کے مقام ومرتبہ کو جانتے تھے لیکن ان میں کتنی پختگی تھی کہ سلطان جی کے مقام سے واقف ہونے کے باوجود بدعت کو بدعت ہی سمجھتے رہے اور فکر کرتے رہے۔ اسی درمیان میں اطلاع ملی کہ قاضی ضیاء الدین سنامی بیمار ہوگئے۔ سلطان جی کو بتایا گیا کہ معالجین نے تجویز

کیاہے کہ یہ ان کے آخری اوقات ہیں یعنی جسے مرض الموت کہتے ہیں۔ اب سنیے! یہ تھے یہ حضرات اور ان کی یہ شان تھی کہ جب ان کی یہ حالت اور کیفیت معلوم ہوئی تو حضرت سلطان جی نے کہا کہ میں عالمِ ربانی، بڑے عالم کی مزاج پُرسی کے لیے جاؤں گا کیوں کہ یہ سنّت ہے۔ لوگوں نے کہا کہ وہ تو آپ پر نکیر کرتے ہیں اور بُرا بھلا کہتے ہیں اور آپ ان کی عیادت کے لیے جانا چاہتے ہیں۔ تو فرمایا کہ یہ ان کا منصب ہے، یہ ان کا حق ہے۔ چناں چہ حضرت سلطان جی تشریف لائے، جب دروازے پر پہنچے تو اطلاع کرائی کہ عیادت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ جب اطلاع گئی تو قاضی ضیاء الدین ہوش وحواس میں تھے، فرمایا کہ کہہ دو کہ یہ لقائے محبوب کا وقت ہے، یہ وقت وصالِ حق کا ہے، یہ دنیا سے رخصت ہونے کا وقت ہے، اس وقت میں بدعتی پیر کا منہ دیکھنا نہیں چاہتا، ایسا نہ ہو کہ ان کے مواجہ میں میری موت آجائے۔ بدعتی پیر کے مواجہ میں میں مرنا نہیں چاہتا۔ اس کا اثر کیا ہوا؟ کہ حضرت سلطان جی نے کہا کہ نظام الدین ایسا گستاخ نہیں ہے کہ بارگاہِ سنّت میں بدعت سے ملوث ہو کر آئے، اس بدعت سے توبہ کر کے آیا ہے۔ شریعت کی اتنی عظمت اور اس کے ادب واحترام کا اس قدر پاس ولحاظ۔ اب اس کے بعد سنیے، جو ابھی تک منہ نہیں دیکھنا چاہتے تھے یہ جواب سن کر فرمایا کہ میں یہی چاہتا تھا کہ اس پر نکیر ہو جائے، اور فرمایا کہ میں سلطان جی کی جلالتِ شان سے واقف ہوں۔ جب قاضی صاحب نے یہ جواب سنا تو ان پر ایک حالت طاری ہو گئی، آبدیدہ ہو کر اپنا عمامہ سر سے اُتار کر خادم کو دیا کہ لے جاؤ میرا عمامہ بچھا دو اور سلطان جی سے کہو کہ اس عمامہ پر پیر رکھ کر تشریف لائیں۔ کہاں منہ دیکھنا گوارا نہیں تھا کہاں اپنا عمامہ بچھا رہے ہیں۔ خادم جب عمامہ لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس کو سر پر رکھ لیا کہ یہ عمامہ شریعت ہے میں اس کو اپنے سر پر رکھ کر حاضر ہوں گا، جب حاضر ہوئے تو قاضی صاحب نے یہ شعر پڑھا؂

آنانکہ خاک رابنظر کیمیا کنند

آیابود کہ گوشہ چشمے بما کنند

یہ وہ حضرات ہیں کہ خاک کے اوپر نظر ڈالیں تو کیمیا بنادیں۔ آپ میرے اوپر نظر کیجیے، کہ حسنِ خاتمہ کی دولت سے مشرف ہو جاؤں۔ ابھی تک منہ دیکھنا گوارا نہ تھا۔ کیوں، مقصد کیا تھا؟ یہ کہ لوگ دینی غلطی میں مبتلا نہ ہوں، جب اس کی اصلاح ہو گئی تو اب اپنے کو مٹا رہے

ہیں، دعا کی درخواست کررہے ہیں، توجہ فرمانے کے لیے درخواست کررہے ہیں، جیسے کوئی قاری صاحب ہوں کہ ایک شخص محسوس کرتا ہے کہ ان کے گندگی لگی ہے، تو وہ مسجد نہیں آنے دے گا، روک ٹوک کرے گا، جب وہ دُھل کے آجائیں تو پھر وہی شخص جو روکتا تھا اب بلائے گا کہ بھائی آجاؤ صفِ اوّل میں آجاؤ اور آیئے نماز پڑھایئے۔ پہلے تو مسجد میں نہیں آنے دے رہے تھے، اب مصلے پر کھڑا کررہے ہیں، کیا بات ہوگئی؟ یہی کہ جو گندگی لگی ہوئی تھی اس کو صاف کرلیا ہے، تو یہاں بھی یہی معاملہ تھا۔ چناں چہ سلطان جی نے توجہ کی، مزاج پُرسی کرکے لوٹے۔ ابھی باہر نہیں آئے تھے کہ روح پرواز کرگئی، جب قاضی صاحب کی رحلت ہوگئی تو سلطان جی روتے تھے اور فرماتے تھے کہ آج شریعت کا ستون گرگیا۔ یہ الفاظ کس کے بارے میں فرماتے تھے؟ جو عمر بھر مخالفت کرتا تھا۔ تو ان حضرات کی یہ شان تھی اور یہ معاملہ تھا کہ ایک دوسرے کے ادب واحترام کالحاظ رکھتے تھے، ساتھ ہی نکیر بھی کرتے تھے اور نصیحت بھی کرتے تھے۔

اصلاحِ منکرات کے طریقے کو معلوم کرے

اس لیے بھائی کوئی کسی منکر میں مبتلا ہو تو اس کی نکیر تو کرو مگر تحقیر مت کرو، نرمی سے سمجھایئے، ادب واحترام کو بھی باقی رکھیے، غلطی میں شرکت نہ کرے، منکر کو منکر سمجھے، اس میں شرکت نہ کرے۔ منکر کی اصلاح کیسے کرے؟ اس کے طریقے ہیں۔ آداب ہیں۔ ہر حال کا حکم الگ ہے، جیسا موقع ہو ویسا معاملہ کرنا چاہیے۔ اس کو علماء سے معلوم کرے۔ جس کا جو حال ہو اس کے بارے میں پوچھے کہ میرا یہ حال ہے، یہ حال ہے اور فلاں منکر ہے اس کی اصلاح کیسے کروں؟ اصلاح کرتا ہوں اپنے کو منکر سے بچاتا ہوں تو یہ نقصان کا اندیشہ ہے تو ایسے موقع پر کیا کروں؟ شریعت نے آسانیاں دی ہیں، ہر ایک کے لیے ضروری نہیں قرار دیا۔ کہیں فتنے کا اندیشہ ہے، کہیں کٹنے کا اندیشہ ہے، مارے جانے کا اندیشہ ہے تو شریعت کہتی ہے کہ ایسے موقع پر ضروری نہیں ہے نصیحت کرنا، ہاں اگر صبر کی طاقت اور کسی سے شکوہ شکایت نہیں کرے گا تو پھر نصیحت کرنے پر جہاد کا ثواب ملے گا۔ حق کی خاطر جان دوگے تو شہادت کا درجہ پاؤگے۔

اپنی اصلاح کی بھی فکر رکھنی چاہیے

ہاں بھائی منکرات کی اصلاح اور اس سے روک ٹوک کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی بھی اصلاح کی فکر چاہیے اور اپنے کو دیکھنا چاہیے کہ ہمارے اندر کتنی کمی و کوتاہی ہے ان کو پورا کرنے کی فکر کرے۔ اصل تو یہی ہے۔ جس طرح جسمانی اعتبار سے کوئی کمی محسوس ہوتی، مثال کے طور پر پھیپھڑے میں داغ ہو یا دل کی بیماری ہے یا کوئی اور شکایت ہوتی ہے تو فوراً معالج کے پاس رجوع کرتے ہیں ایسے ہی روحانی اعتبار سے جو بیماریاں ہیں ان میں دینی معالج کے پاس رجوع کرنا چاہیے۔ اگر ایسی جگہ ہے کہ اس کا موقع نہیں ملتا تو فکر رہے، تلاش رہے، جب تک اس کا انتظام نہیں ہوتا اس وقت تک چار کتب پڑھے ان سے مدد ملے گی: ایک تو ''جزاء الاعمال'' پڑھے، دوسری کتاب ''حیٰوۃ المسلمین'' ہے اس کو پڑھے، تیسری کتاب ''حکایاتِ صحابہ'' ہے، چوتھی ''حقوق الاسلام'' ان کو پڑھے۔ یہ کتابیں آسانی کے ساتھ ملتی ہیں۔ ان کتابوں کو پڑھتا رہے اور اس کے موافق عمل کرتا رہے، اس کے ساتھ کسی اللہ والے کی خدمت میں یعنی معالجِ روحانی کے پاس جائے اور اس کی فکر رکھے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ وہاں جاؤ گے تو وہ حضرات جیسا مریض دیکھیں گے ویسا علاج کرتے ہیں۔

علاج کے ساتھ مریض کے حسبِ حال غذا بھی چاہیے

اسی کے ساتھ ایک بہت ہی اہم چیز ہے اور سب ہی اس کی تلقین کرتے ہیں، وہ یہ کہ علاج کے ساتھ ساتھ مریض کے حسبِ حال غذا بھی ضروری ہوتی ہے تاکہ دونوں کام ہوں کہ مرض کا ازالہ بھی ہو اور قوت بھی پیدا ہوتی رہے۔ چناں چہ اہل اللہ مریض کے حسبِ حال علاج تجویز کریں گے، نسخہ بتلائیں گے، ساتھ ہی غذا بھی بتلائیں گے۔ وہ غذا کیا ہے؟ سنت کا اہتمام۔ سنّت کا جتنا اہتمام ہوگا اتنا ہی ان شاء اللہ نفع ہوگا، اللہ کا قرب بڑھے گا اور محبت میں اضافہ ہوگا۔ اور ان شاءاللہ اس پر عمل کی برکت سے گناہوں سے بچنے کی طاقت وہمت پیدا ہوجائے گی۔ بڑی خاص چیز ہے، سنّت کا اہتمام بڑی اہم چیز ہے۔

اہتمامِ سنّت سے زندگی میں انقلاب آگیا

اس کے برکات اور فوائد کے سلسلے میں یاد آگیا کہ ایک سرکاری افسر اور ایک اچھے عہدیدار ہیں ان کا خط چھ صفحے کا خود میرے پاس آیا، آخر میں لکھا کہ میرا حال آپ کو معلوم ہو جائے اور مجھے بھی توبہ کرادی جائے، اس میں انہوں نے لکھا کہ یوں تو میرے اندر بہت کمیاں تھیں لیکن چند اہم کمیوں میں پہلی کمی یہ کہ نماز کا پابند نہیں تھا، کبھی کبھار تو پڑھ لیتا، جمعہ کی نماز تو نہیں چھوڑتا لیکن پانچوں وقت کی پابندی نہیں کرتا، دوسری کوتاہی یہ کہ گانے کا بہت شوقین تھا۔ وہ جس علاقے میں تھے وہ ہندوستان ہی کا ایک صوبہ ہے جس کا نام اُڑیسہ ہے وہاں عورتیں دفتروں میں کام کرتی ہیں، چوں کہ گانے سے اتنا عشق تھا، عورتیں جو میرے پاس آتیں فائل لے کر دستخط کرانے کے لیے ان کو بٹھالیتا اور خود گانا سنادیتا اور ان سے بھی سنتا، اس لیے وہ بھی تیاری کرکے آتی تھیں تو وہ دفتر کیا ہوجاتا تھا کہ گانا بجانا بن جاتا تھا دو کمیاں ہوگئیں، تیسری بات یہ کہ خود بھی سنیما دیکھتا تھا اور بیوی کو بھی سنیما دکھایا کرتا تھا۔ یہ انہوں نے اپنا حال لکھا تھا۔ جب اس قسم کے حالات تھے تو پھر وضع قطع جیسی ہوگی ویسی ہوگی، عام طور پر جیسی خلافِ شریعت ہوتی ہے ویسی ہی ہوگی۔ اب سنیے کیا ہوا؟ لکھتے ہیں کہ جمعہ کے لیے جامع مسجد پہنچا، یہ ''ایک منٹ کا مدرسہ'' نامی کتاب جو چالو ہے، ماشاء اللہ اس کے بہت فوائد وبرکات ہورہے ہیں، ماشاء اللہ بہت چھپ گیا ہے، پہلے اس کے مضامین کو زبانی بتلادیا جاتا تھا اور مجلس دعوۃ الحق کے جہاں جہاں مکاتب ہیں ان میں بھی یہ سلسلہ چالو ہے تو اس علاقے میں بھی دعوۃ الحق کا مدرسہ ہے جس میں دار الاقامہ ہے اس میں ہمارے ہی علاقے کے ایک مدرّس صاحب جو اہلِ علم تھے ان کا معمول اس کے سنانے کا تھا۔ چناں چہ انہوں نے لکھا کہ جب جمعہ کی نماز پڑھنے پہنچا تو وہ مدرّس صاحب جمعہ میں تقریر کررہے تھے سنّت کی اہمیت پر، اس میں انہوں نے کہا کہ بھائی نماز میں اکیاون سنتیں ہیں آج ہم تین سنتیں بتلائیں گے اور ہر جمعہ کو تین تین سنتیں بتلایا کریں گے، پہلے جمعہ کو تین سنتیں بتلائیں: نمبر ایک: سیدھا کھڑا ہونا یعنی چہرا قبلے کی طرف ہو جیسے میرا چہرا آپ کی طرف ہے، آپ کا چہرا میری طرف ہے، نگاہ سجدہ گاہ کی طرف ہو۔ دوسرے یہ کہ پیروں کی انگلیاں قبلے کی طرف ہوں، دونوں پیروں

کے درمیان کم از کم چار انگلی کا فاصلہ ہو یہ مستحب ہے۔ تیسرے یہ کہ ہاتھوں کی ہتھیلیاں قبلے کہ طرف ہوں۔ یہ تین سنتیں ہیں جمعہ کو انہوں نے بتلائیں، تو میں نے ان تین سنتوں پر عمل کرنا شروع کر دیا، اس کے بعد اگلے جمعہ کو گیا تو اور تین سنتیں بتلائیں اسی طرح ہر جمعہ کو بتلاتے رہے نماز میں اکیاون سنتیں ہیں اور ہر جمعہ کو تین بتلاتے تھے تو وہ ۱۷ جمعوں میں ہو گئیں۔ قیام کی گیارہ سنتیں، قرأت کی سات سنتیں، رکوع کی آٹھ سنتیں، سجدہ کی بارہ، قعدہ کی تیرہ، اس طریقے سے نماز کی پوری سنتیں معلوم ہو گئیں۔ اسی طرح پھر اور سنتیں بتلائیں اور اس سلسلے میں کتابیں بھی بتلائیں اس کو مطالعہ کیا تو اب کیا حال ہے؟ لکھا ہے کہ اب حال یہ ہے کہ پانچوں وقت کی نماز پڑھنے لگا۔ ایک بات۔ دوسری بات یہ کہ خود سینما چھوڑ دیا اور بیوی کو سینما چھڑا دیا۔ تیسری بات یہ کہ گانا سنانا بھی بند کر دیا اور سننا بھی بند کر دیا، اور اب یہ حال ہے کہ جب وہ عورتیں آتی ہیں کاغذ لے کر تو نگاہ نیچے کیے ہوئے دستخط کرتا ہوں۔ کاغذ کو دیکھتا ہوں۔ کاغذ والی کو نہیں دیکھتا ہوں۔ پہلے تو کاغذ والی کو دیکھا کرتے تھے، اس کو گانا سناتے تھے اس کا سنتے تھے، یہ انقلاب کیسے آیا؟ سنت کا ذکر اور اس پر عمل کرنے کی برکت سے، ہلکے ہلکے طاقت پیدا ہو گئی، گناہ سے بچنا بھی آسان ہو گیا۔ لیکن مسلسل اور تسلسل کے ساتھ عمل کرے تو ان شاءاللہ اس کا فائدہ محسوس ہو گا۔

گناہوں کے چھوڑنے کا طریقہ

اگر کسی گناہ کی عادت ہے ایک دم نہیں چھوڑ سکتے اور اس کی ہمت نہیں ہے تو رفتہ رفتہ چھوڑو، دس گناہ کی عادت ہے تو اس میں چند چھوڑو، ارے چار چھوڑ دو، دو چھوڑ دو، یہ بھی نہ ہو تو کم از کم ایک دن ایک چھوڑ دو، پھر اسی طرح آٹھویں دن ایک ایک گناہ چھوڑتے چلے جاؤ۔ کسی کو افیم کی عادت ہو کچھ لوگ تو فوراً چھوڑ دیتے ہیں کچھ کو اس کا طریقہ بتلاتے ہیں۔

یہ بُری ہے تو آج سے نہیں کھاؤں گا

ایک شخص حضرت مولانا گنگوہی نوّر اللہ مرقدہٗ سے بیعت ہوا حضرت نے اس کو توبہ کرائی اس کے بعد وہ کہنے لگا کہ اجی حضرت! جو کام نہیں کرتا تھا اس سے تو آپ نے توبہ کرائی اور

جو کیا کرتا تھا اس سے توبہ کرائی نہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ مجھے کیا معلوم کہ تم کیا کرتے ہو؟ وہ کہنے لگا کہ میں افیم بھی کھایا کرتا ہوں۔ تو حضرت نے فرمایا کہ اچھا کتنی کھایا کرتے ہو؟ وہ کہنے لگا کہ اتنی۔ تو فرمایا کہ اب مقدار کم کر دو۔ آپ نے یہ علاجاً و دواءً بتلایا تاکہ رفتہ رفتہ یہ عادت ختم ہو جائے۔ اس نے کہا کہ جب یہ ہے بُری چیز تو اتنی اتنی کیا، ڈبیا نکالی جیب سے اور پھینک دی، کہا: بس، آج سے نہیں کھاؤں گا۔ عادت چوں کہ پڑی ہوئی تھی اور ایک دم اس نے چھوڑ دیا تو اس کا اثر یہ ہوا کہ گھر جا کے بیمار ہو گیا۔ جب حضرت کو اس کی بیماری کی اطلاع ہوئی تو کہلا بھیجا کہ علاجاً کھا سکتے ہو۔ اس نے کہا کہ نہیں، اب تو کچھ بھی ہو جائے اب نہیں کھائیں گے۔ چناں چہ چند دن میں ٹھیک ہو گیا۔ پھر آیا حضرت کی خدمت میں اور محبت و عقیدت سے دو روپیہ ہدیہ پیش کیے۔ دیہات والے مخلص ہوتے ہیں تو حضرت نے ان سے زیادہ پوچھ گچھ نہیں کی اور وہ روپے لے لیے۔ دیہات والے بے تکلف ہوتے ہیں تو اس نے کہا کہ حضرت یہ پوچھا نہیں کہ کاہے کے ہیں؟ حضرت نے فرمایا: اچھا بھائی! اب بتلا دو کہ یہ کاہے کے ہیں؟ کہنے لگا کہ میں مہینے میں دو روپیہ کی افیم کھایا کرتا تھا۔ سستا زمانہ تھا، جب آپ نے افیم سے توبہ کرائی تو ہمارا نفس بہت خوش ہوا کہ دو روپیہ بچیں گے، اس سے ملائی کھاؤں گا۔ گھی کھاوں گا۔ میں نے کہا کہ تجھے نہیں کھلانی ہے، جن کے ہاتھ پر توبہ کی ہے انہیں یہ تحفہ دیا کروں گا۔ یہ دو روپیہ وہ ہیں۔ اور کہا کہ جب تک میں ہوں یا آپ ہیں دو روپیہ مہینہ آپ کو پیش کروں گا۔ ہدیہ اصل میں محبت کی بناء پر دیا جاتا ہے۔ اگر کسی غرض کی بناء پر دیتا ہے تو وہ رشوت ہے۔ تو حاصل یہ کہ اس کی افیم کی عادت تھی اس نے ایک دم چھوڑ دی۔ بعض لوگوں میں ہمت ہوتی ہے اور وہ اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔

افیم چھوڑنے کا آزمودہ طریقہ

اور کچھ کو اس کا طریقہ بتلاتے ہیں کہ ایک دم نہیں چھوڑ سکتے تو اس کے لیے طریقہ ہے اس پر عمل کیا جائے۔ ہمارے عزیزوں میں بعضے تھے ان کی اس طریقے سے اصلاح ہو گئی جس کی صورت یہ کی گئی کہ پہلے ان سے پوچھ لیا گیا کہ کتنی افیم کھاتے ہو؟ انہوں نے اس کی مقدار بتلا دی کہ روزانہ اتنی کھاتے ہیں۔ تو اس لحاظ سے چالیس دن منگا دی اور بوتل میں بھر دی اور اس میں پانی ڈال دیا پھر ان کو ایک ایک چمچی پینے کے لیے دیتے تھے، جتنا پلاتے

تھے اتنا پانی ملاتے رہتے تھے، چالیس دن کے بعد وہ افیم تو ختم ہوگئی بس پانی ملا ملا کر پلاتے رہے تو اس تدبیر سے ہلکے ہلکے عادت چھوٹ گئی۔ اسی طرح جس گناہ کی عادت پڑی ہوئی ہے ہلکے ہلکے تھوڑا تھوڑا اس کو چھوڑے۔ پہلے اس کی تدبیر معلوم کرے پھر اس کے موافق عمل کرے تو بہت جلد گناہ چھوٹ جائیں گے۔

تہجد کے لیے اُٹھنے کا نسخہ

ایسے ہی طاعات میں بھی لگنے کا معاملہ ہے کہ ہلکے ہلکے بقدرِ تحمل عادت ڈالے، اور دعا بھی کرتا رہے، یہ بڑی خاص چیز ہے، اس سے پھر بڑی آسانی اور سہولت ہو جائے گی اور بزرگوں سے اس کی تدبیر معلوم کرے، ان حضرات کے پاس ایسے نسخے ہوتے ہیں کہ ایک ہی دو خوراک میں بہت جلد نفع ہونے لگ جاتا ہے۔ مثال کے طور پر بہت سے لوگ چاہتے ہیں کہ تہجد میں آنکھ کھل جائے تاکہ اس وقت نماز پڑھ لیں لیکن اٹھنے کی ہمت نہیں ہوتی، تو اب کیا کریں؟ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے بھی بعضوں کو فرمایا کہ اچھا بھائی آنکھ تو کھل ہی جاتی ہے کبھی نہ کبھی تو جب آنکھ کھل جائے تو اسی وقت چار پائی پر بیٹھ جاؤ، چاہے ایک ہی منٹ کے لیے بیٹھو، اور بیٹھ کر سبحان اللہ، سبحان اللہ پڑھ لو، پھر لیٹ جاؤ۔ اس پر عمل کرنا کیا مشکل ہے؟ کتنی آسانی دے دی۔ اور اگر یہ بھی نہ کرسکتے ہو تو پھر کم از کم کروٹ ہی بدل لو، جس جگہ لیٹے ہو اس سے ہٹ جاؤ تاکہ تہجد پڑھنے والوں کی جو شان بیان کی گئی ہے:

تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ۡ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ [۱۵]

ان کے پہلو خواب گاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں، اس طور پر کہ وہ لوگ اپنے رب کو اُمید سے اور خوف سے پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرتے ہیں۔

ان کی تھوڑی بہت مشابہت ہو جائے۔ ارے بھائی! وہ آدھ گھنٹہ اور ایک گھنٹہ کے لیے اٹھتے ہیں تو تم ایک منٹ کے لیے اٹھو تو اس اٹھنے میں ان کی مشابہت اختیار کرو تو اس کی برکت سے ان شاء

---

۱۵ السجدۃ:۱۶

اللہ تعالیٰ آج ایک منٹ کی توفیق ہوئی ہے تو کل ڈیڑھ منٹ کی توفیق ہو گی اور یہ سلسلہ بڑھتا رہے گا۔ قطرہ قطرہ دریا ہو جاتا ہے۔ تو میرے عرض کرنے کا منشا یہ ہے کہ اپنی اصلاح کی فکر رکھے، اپنی درستگی کی کوشش کرتا رہے، اور دوسروں کو بھی اچھائی کی دعوت دے اور بُرائی سے روکے۔

مؤمنین کی صفات و خصوصیات

جو آیت میں نے پڑھی تھی اس میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی خصوصیات اور ان کی صفات کو بیان فرمایا ہے، وہ صفات کیا ہیں؟ ایک صفت یہ ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ

مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ ہمدرد اور خیر خواہ ہیں۔ دوسری صفت:

يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

اچھی باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بُری باتوں سے روکتے ہیں۔

تیسری خصوصیت یہ کہ

وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں۔ نماز سنّت کے موافق پڑھتے ہیں۔

چوتھی صفت یہ ہے کہ

وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ

اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔

بڑی محنت سے مال کماتے ہیں مشقت سے پھر سال بھر تک حفاظت کرتے ہیں پھر اس کی زکوٰۃ قاعدہ سے نکالتے ہیں:

وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

اور اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانتے ہیں۔

کہنا ماننے کا مطلب کیا ہے؟ اللہ اور رسول کا حکم معلوم ہو جائے تو خوش دلی سے عمل کرتے

ہیں، خوشی خوشی عمل کرتے ہیں۔ جیسے بچوں کو چھٹی ہوتی ہے تو گھر خوشی خوشی جاتے ہیں ایسے ہی انہیں کوئی حکم معلوم ہو جائے تو خوشی خوشی عمل کرتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ جن لوگوں کی یہ شان اور صفات ہیں ان کے ساتھ معاملہ کیا ہوگا اور انعام کیا ملے گا؟ فرمایا گیا:

أُولَٰٓئِكَ سَيَرۡحَمُهُمُ اللّٰهُ

یہ وہی لوگ ہیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ جلد رحمتِ (خاصّہ) فرمائیں گے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ[۱۷]

بلاشبہ اللہ تعالیٰ قادرِ (مطلق) ہے اور حکمت والا ہے۔

جب چاہیں رحمت سے نواز سکتے ہیں، لیکن حکیم بھی ہیں جب مناسب سمجھتے ہیں دیتے ہیں۔

گڑگڑا کر جو مانگتا ہے جام
اس کو دیتا ہے ساقی گلفام

خلاصۂ کلام

تو خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس آیت میں مومن کی کچھ صفات اور خصوصیات بیان کی گئی ہیں کہ جن کے ذریعے سے مسلمانوں کو پہچانا جاسکتا ہے۔ جس طرح پولیس والے کو اس کی وردی سے پہچان لیتے ہو، پوسٹ مین کو اس کی وردی سے پہچان لیتے ہو، ایسے ہی مسلمان کو بھی ایسا ہونا چاہیے کہ اس کو دیکھ کر پہچان لیا جائے کہ یہ مسلمان ہے۔ اس کے تعارف کی ضرورت نہ پڑے۔ اس کی صورت یہی ہے کہ اپنے اندر ان صفات کو پیدا کیا جائے اور ان خصوصیات کو اختیار کیا جائے تو اس کی برکت سے ان شاء اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی عزت وراحت ملے گی اور آخرت میں بھی رحمتِ خاصّہ سے نوازا جائے گا۔ اب دعا کرلی جائے کہ اللہ تعالیٰ ان سب باتوں کو قبول فرمائے اور ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور سب کو حسنِ خاتمہ کی دولت سے مشرف فرمائے، آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

---

[۱۷] التوبة:۷۱

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہر مسلمان نہ صرف خود دین پر عمل کرتا بلکہ اس کی تبلیغ و ترویج کے لیے جانی و مالی کاوشیں بھی کرتا اور اس کی تعلیمات دنیا کے کونے کونے میں پہنچانے کا سبب بنتا۔ لیکن آج کا مسلمان اسلام کے پاکیزہ احکام پر عمل نہ کر کے روحانی طور پر اتنا کمزور ہو چکا ہے کہ کفار کی دنیاوی چکا چوند سے متاثر و مرعوب ہو گیا۔ اس مغربی تہذیب کی ظاہری چمک دمک نے اُمتِ مسلمہ کو ایسا دھوکے میں ڈالا کہ وہ اس سراب کو آبِ حیات سمجھنے لگی۔ اسے حاصل کرنے کی فکر میں ایسے لگ گئی کہ اپنے دین، ایمان، اسلامی احکامات اور عمدہ اخلاق بھول کر غیر مسلموں کے رنگ میں رنگنے لگی۔

ایسے نازک وقت میں ضرورت اس بات کی ہے کہ امتِ مسلمہ کو اس کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا جائے۔ شیخ المشائخ عارف باللہ محی السنہ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وعظ "خصائصِ مؤمن" میں مسلمانوں کو ان اعمال کی طرف راغب فرمایا ہے جنہیں اپنا کر وہ غیر مسلموں سے ممتاز بن سکتے ہیں۔ اگر ہم نے ان خصوصیات کو اختیار کیا تو دنیا میں عزت ملے گی اور آخرت میں خدا کی رحمت۔

www.khanqah.org